

سہیلی

اسے روکتے ہوئے رو کر دیا۔
 ”اچھی طرح پتا ہے یہ سالوں کی گمشدہ پھپھیاں
 اچانک اپنے گھر ووں کے ساتھ وطن واپسی کا پروگرام
 کیا سوچ کر بنائی ہیں۔ ویسی قسم کی بسوویں تلاش
 کرنے اور ایسے گھر اگر اپنے ہی خاندان میں جا بجا
 بکھرے ہوئے ہوں تو کیا ہی کہنے۔“ بیلا نے میرے
 دل کی بات کی۔

”اور پھر امپورٹڈ بیٹوں کی ماں ہونے کی حیثیت سے
 جو پروٹوکول ملتا ہے وہ عیاشی الگ۔“ رحمہ نے اسکیج
 بناتے بناتے پنسل روک کر ایک اور اہم نکتے کی طرف

برسی اسی کی طرف سے دی گئی یہ خبر خوش کن نہ
 سہی حیران کن ضرور تھی اور اس وقت چودھری ہاؤس
 کی تمام ”بکریاں“ ٹمکین تلی ہوئی مونگ پھلی اور وال
 مونگ چرنے کے ساتھ ساتھ اس تازہ ترین اطلاع پہ
 جی بھر کے تبصرے بھی کر رہی تھیں۔

”امی نے یہ بھی بتایا ہے کہ مشنم پھوپھو اتنے سالوں
 بعد اپنے صاحبزادوں کو لے کر پاکستان منتقلی آب
 و ہوا کی خاطر نہیں آرہیں بلکہ۔“

”پتا ہے پتا ہے۔ بس۔“ دینا اپنی دانست میں جو
 انکشاف کرنے جا رہی تھی وہ میں نے ہاتھ اٹھا کے

مکمل ناول



توجہ دلائی۔
 "مہر کیا تم رکھ لیتا۔ یہ جہنم پھیل رہا ہے۔
 اتنے سال کسی عزیز رشتے دار سے رابطہ تک رکھنا
 گوارا نہ کیا۔ ان کی اتنی کو بھگت ہو گی۔ برساتی
 مینہ گوں کی طرح ایسے ایسے دربرے کے رشتے دار
 نکل آئیں گے انہیں مدعو کرنے نہیں کاہم تک وہ نہ
 جانتی ہوں گی۔ ان کے تو مزے ہی مزے دی دی آئی
 بی کی طرح یہ ڈیڑھ مینہ گزاریں گی وہ سارا خاندان
 ہاتھوں ہاتھ لے گا ایک اعزاز کی طرح ان کی میزبانی کا
 شرف حاصل کیا جائے گا۔" میں نے بیش گوئی کی
 جس کے جواب میں یہاں سے استغاثہ لگا گیا۔
 "آئی اور تھو تو جیسے یہ موقع ہاتھ سے جانے دیں
 گی بھلا ہے نہ؟"

"اور کیا چوہری ہاؤس سے زیادہ ورائٹی انہیں
 کہاں ملے گی۔"

اب تک خاموش بیٹھی کشف چوہری نے مونے
 شیشوں کی جنگ اور مٹی جلد والی بڑی سی جاتی تک
 ایک طرف رکھتے ہوئے گفتگو میں حصہ لیا۔ اس کے
 رخ سے مجھے پتا کہ عملاً کے رکھ دیا۔ مجھے البتہ برنامہ
 تھا۔

"ہاں بارہ واقعی۔ اور تو مشکل میں پڑ جائیں گی
 لڑکے وہ اور لڑکیاں تھوک کے بھلا۔ بابا۔ بابا۔" مجھے
 خواہ مخواہ ہنسی آئے جاری تھی۔ "چوہری ہاؤس سے
 باہر نکلنے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ چہ چہ۔ بے
 چاری جہنم پھیل رہا ہے۔ میں چکر بن کے رہ جائیں گی
 ایک سے ایک بڑھیاں۔ مہر کو انی۔"

"اسٹاپ لٹ۔" میری توقع کے عین مطابق چلا جیج
 پڑی۔

"چیز خود کو یوں ہی گھٹ مت کیا کرو۔ جب
 تک تم لوگ خود اپنی عزت نہیں کرو گی وہ سوں سے
 کیا خاک کر دیا ہو گی۔"

"ہاں اور مہر جو بیٹوں سمیٹے اپنی عزت خود ہی کرتی
 رہتی ہو اس کا کیا نتیجہ تھا؟ تمہاری دیکھا دیکھی بھی

کسی نہ مہر نے تمہاری عزت کی؟" گل بین
 عرف نے منہ سے نکلنا مارا۔

گل بیٹا نے تاسف سے ایک نظر خود سے ڈیڑھ
 سال بڑی گل بین پر ڈالی پھر میری طرف توجہ ہوئی۔
 "مسلحہ! کم از کم تم سے مجھے یہ توقع نہیں تھی۔"

اپنی ہی صنف کے لیے ایسے ایسے ہنگ آمیز جھڑپ
 لڑکیاں ہیں یا پرچوں کی چڑیاں جو تھوک کے بھلا
 گوارا ہی نہیں تم اور۔ اور۔ تو بڑھیاں مل۔ مہر

کو انی You should shame yourself

چوہری ہاؤس کی لڑکیاں شوکیس میں جلی ڈیکوریشن کی
 چیزیں نہیں جو کوئی اپنی مرضی سے اٹھا اٹھا کر کوالٹی
 جانچے گا۔ یہ تو طے ہے کہ جہنم پھیل رہا ہے
 سا جہزادوں کے حوالے سے اس گھر سے تو کوئی دی گئی
 پی پروڈکٹ نہیں ملے والا۔"

"ہاں ہاں، تم نے طے کر لیا اور سمجھو طے ہو گیا۔"

بیٹا نے مونگ پھلی پ۔ ڈھیر سا چاٹ مسلا چمڑکتے
 ہوئے مسخرہ لایا۔

"بیٹا بی بی! تمہاری فلاسفی اپنی جگہ لیکن ہاؤس کی
 فلاسفی اور وہ بھی چھل۔ فکر تھو اور میں پائی جانے والی
 بیٹیوں کی ہاؤس کی فلاسفی ہے۔ کچھ اور بے ذرا اور نیچے
 کے پورشنر میں ایک نظر دوڑاؤ پھر غور سے لگانا تعلیم
 نسواں اور حقوق نسواں کے انی رابعہ آئی اور
 فیصلہ آئی تینوں کا جوش و خروش اور پھوپھو کے
 استقبال کی تیاریاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن
 میں ڈیڑھ مہینے کا مینو ترتیب دے کر لٹکایا جا چکا ہے۔
 گیسٹ روم میں گھر کے فرنیچر میں سے تمام اچھے اچھے
 آئینہ منقل ہو چکے ہیں۔ بڑے چادر کوٹے سروں اور
 کارپٹ کے لیے آرڈر دیا جا چکا ہے۔ ایک گل واقعی
 ڈراپور رکھنے کا معاملہ زیر غور ہے جو کہ پھوپھو اور ان
 کے بیٹوں کی خدمت میں پیش کیا جاسکے۔ آف
 کورس مہر ایک شاندار گاڑی کے لیے اور ہماری تمہاری
 مائیں اپنے اپنے اسٹور روڑ میں بڑی بڑی جیپز پیش
 میں سرگھسائے نہانے کب کے سنبھلے سنبھلے

پریشانیوں سے اتنی چڑ تھی۔ اس کے لمحے کی بیزاری کو
میں نے غفلتگی سے ڈھانپنا چاہا۔

”چوبدری ہاؤس کی تمام لڑکیوں نے سب سے زیادہ
تنگ بھی تو انہی کو کیا ہے۔ یہ سب لڑکیاں ان ہی کے
سے فرار ک پس کر، ان ہی کے پکائے پرانے کھا کر
اسکول جاتی رہی ہیں۔ ان ہی کے ہاتھوں تیل پی پی کر
یہ پال اتنے لمبے ہوئے ہیں اور ان ہی کے بنائے
حلوے اور مربے کھا کھا کر یہ داغ اتنے چل پڑے ہیں
کہ کشف بی بی بیومن سائیکالوجی میں ایم فل کر رہی
ہیں اور شاداب بی بی انکس لٹریچر میں ماسٹرز۔“

جس طرح شاداب امیری بڑی، بسن کو بات سب بات
بڑی امی کی شکایت جڑے کی عادت تھی اسی طرح اس
کی ہر شکایت پر جوالی کارروائی کے طور پر بڑی امی کی آن
گت مہرائیوں میں سے چند ایک کو جتنا میرا طریقہ بن چکا
تھا۔ اب بھی شاداب نے بھنوس اچکا کر مجھے یوں کھورا
چیت کہہ رہی ہو، تم باز آنا، جی۔ اور پھر سے سووی
کی طرف متوجہ ہو گئی۔

سوٹ پس چھانٹ رہی ہیں۔“

ہم سب میں وہی زیادہ بڑوں میں تھسی رہتی تھی اور
پھر اکلوتی منگنی شدہ ہونے کی وجہ سے اسے خاص
رعایت بھی حاصل تھی۔ جس کی رو سے عموماً
چھوٹے موٹے معاملات میں بڑی امی اور آئیاں اسے
رازدار بنالیا کرتیں۔ ویسے کئی بات تو یہ بھی کہ خود
اسے بھی بڑی لڑکوں کی طرح ہر بات میں کھسنے کا شوق
زیادہ تھا ورنہ لیلی آئی اور شاداب اس سے عمر میں بڑی
تھیں۔ لیکن ہر طرح کے معاملے سے الگ تھلگ
رہیں اور میں اور وہ۔ ہم بھی اس سے بس چند مہینے ہی
چھوٹی تھیں لیکن ذہنی لحاظ سے شاید وہ ہم دونوں سے
کئی سال زیادہ ”گھریلو“ تھی۔

بیانے اس کی اس غی اطلاع کو ناپسندیدگی سے سنا۔
”تم سب کان کھول کر سن لو۔ یہاں ملکی افساوی
پتویشی نہیں دہرائی جائے گی۔ یہ سب تم چھوچھو کوئی
دھاری سلی چھوچھو جنس جس میں ایسے زیادہ آئے، نتیجہ
پھرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور ان کے سپوتوں کو تو ہر
گز منہ نہیں لگا بلکہ خیوار جو نسو نے ان انسانی
گجھارے، گھنڑا اور سلیقہ شہزادی بتائے یا جس
گھنڈارے کی کوشش کی۔“ اس کے رعب ہٹانے پر
رحمہ مانتہ کر گئی۔

”ہو نہ، ہمیں کیا ضرورت ہے ایسے گھنڈارے کی؟
لیکن ڈیرہ میں تنگ کھڑے آئے مہمانوں پر۔ یوں الگ
تھلگ بھی تو نہیں رہا جاسکے۔“

”اور پھر بڑی امی۔ وہ ایسا کرنے میں غی فائز تھیں۔
اب اور میں کیا کہوں تمہاری امی کو تم زیادہ بہتر جانتی ہو
گی، ان کا بس نہیں چھوچھو دھری ہاؤس کی تمام لڑکیوں
کو راتوں رات ٹھکانے لگاویں۔“

شاداب جو چپ چاپ ایک طرف بیٹھی اشارہ سویر
اپنے فیورٹ ٹام پنکس کو Cast away میں
آگ جلانے کی کوشش میں سرگرداں دیکھ رہی تھی
بڑی امی کا نام لینے سے خود کو روک نہ سکی۔ اسے
نجانے کیوں بڑی امی اور ان کی بدایتوں، فکروں،

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے معروف ناول

- * دل نہ ہوں کہ سستی عجت مدافعت 400/-
- * جرم نہ تو جہاں تہ گزشتہ شاداب 150/-
- * وہ تپلی سن دیوانی سی شہین بی 400/-
- * جنت آخرت ہوتی رحمت سراج 550/-
- * ایمان امید اور محبت مسیحہ ماحد 160/-
- * خواتین کا گھریلو انسائیکلو پیڈیا 600/-

خواتین ڈائجسٹ، آفٹن پیپر، حوالہ صحت چھپائی نوید زیب مہتاب پور

شائع ہو گئے ہیں

مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، 38، 39، 40، 41، 42، 43، 44، 45، 46، 47، 48، 49، 50، 51، 52، 53، 54، 55، 56، 57، 58، 59، 60، 61، 62، 63، 64، 65، 66، 67، 68، 69، 70، 71، 72، 73، 74، 75، 76، 77، 78، 79، 80، 81، 82، 83، 84، 85، 86، 87، 88، 89، 90، 91، 92، 93، 94، 95، 96، 97، 98، 99، 100، 101، 102، 103، 104، 105، 106، 107، 108، 109، 110، 111، 112، 113، 114، 115، 116، 117، 118، 119، 120، 121، 122، 123، 124، 125، 126، 127، 128، 129، 130، 131، 132، 133، 134، 135، 136، 137، 138، 139، 140، 141، 142، 143، 144، 145، 146، 147، 148، 149، 150، 151، 152، 153، 154، 155، 156، 157، 158، 159، 160، 161، 162، 163، 164، 165، 166، 167، 168، 169، 170، 171، 172، 173، 174، 175، 176، 177، 178، 179، 180، 181، 182، 183، 184، 185، 186، 187، 188، 189، 190، 191، 192، 193، 194، 195، 196، 197، 198، 199، 200، 201، 202، 203، 204، 205، 206، 207، 208، 209، 210، 211، 212، 213، 214، 215، 216، 217، 218، 219، 220، 221، 222، 223، 224، 225، 226، 227، 228، 229، 230، 231، 232، 233، 234، 235، 236، 237، 238، 239، 240، 241، 242، 243، 244، 245، 246، 247، 248، 249، 250، 251، 252، 253، 254، 255، 256، 257، 258، 259، 260، 261، 262، 263، 264، 265، 266، 267، 268، 269، 270، 271، 272، 273، 274، 275، 276، 277، 278، 279، 280، 281، 282، 283، 284، 285، 286، 287، 288، 289، 290، 291، 292، 293، 294، 295، 296، 297، 298، 299، 300، 301، 302، 303، 304، 305، 306، 307، 308، 309، 310، 311، 312، 313، 314، 315، 316، 317، 318، 319، 320، 321، 322، 323، 324، 325، 326، 327، 328، 329، 330، 331، 332، 333، 334، 335، 336، 337، 338، 339، 340، 341، 342، 343، 344، 345، 346، 347، 348، 349، 350، 351، 352، 353، 354، 355، 356، 357، 358، 359، 360، 361، 362، 363، 364، 365، 366، 367، 368، 369، 370، 371، 372، 373، 374، 375، 376، 377، 378، 379، 380، 381، 382، 383، 384، 385، 386، 387، 388، 389، 390، 391، 392، 393، 394، 395، 396، 397، 398، 399، 400، 401، 402، 403، 404، 405، 406، 407، 408، 409، 410، 411، 412، 413، 414، 415، 416، 417، 418، 419، 420، 421، 422، 423، 424، 425، 426، 427، 428، 429، 430، 431، 432، 433، 434، 435، 436، 437، 438، 439، 440، 441، 442، 443، 444، 445، 446، 447، 448، 449، 450، 451، 452، 453، 454، 455، 456، 457، 458، 459، 460، 461، 462، 463، 464، 465، 466، 467، 468، 469، 470، 471، 472، 473، 474، 475، 476، 477، 478، 479، 480، 481، 482، 483، 484، 485، 486، 487، 488، 489، 490، 491، 492، 493، 494، 495، 496، 497، 498، 499، 500، 501، 502، 503، 504، 505، 506، 507، 508، 509، 510، 511، 512، 513، 514، 515، 516، 517، 518، 519، 520، 521، 522، 523، 524، 525، 526، 527، 528، 529، 530، 531، 532، 533، 534، 535، 536، 537، 538، 539، 540، 541، 542، 543، 544، 545، 546، 547، 548، 549، 550، 551، 552، 553، 554، 555، 556، 557، 558، 559، 560، 561، 562، 563، 564، 565، 566، 567، 568، 569، 570، 571، 572، 573، 574، 575، 576، 577، 578، 579، 580، 581، 582، 583، 584، 585، 586، 587، 588، 589، 590، 591، 592، 593، 594، 595، 596، 597، 598، 599، 600، 601، 602، 603، 604، 605، 606، 607، 608، 609، 610، 611، 612، 613، 614، 615، 616، 617، 618، 619، 620، 621، 622، 623، 624، 625، 626، 627، 628، 629، 630، 631، 632، 633، 634، 635، 636، 637، 638، 639، 640، 641، 642، 643، 644، 645، 646، 647، 648، 649، 650، 651، 652، 653، 654، 655، 656، 657، 658، 659، 660، 661، 662، 663، 664، 665، 666، 667، 668، 669، 670، 671، 672، 673، 674، 675، 676، 677، 678، 679، 680، 681، 682، 683، 684، 685، 686، 687، 688، 689، 690، 691، 692، 693، 694، 695، 696، 697، 698، 699، 700، 701، 702، 703، 704، 705، 706، 707، 708، 709، 710، 711، 712، 713، 714، 715، 716، 717، 718، 719، 720، 721، 722، 723، 724، 725، 726، 727، 728، 729، 730، 731، 732، 733، 734، 735، 736، 737، 738، 739، 740، 741، 742، 743، 744، 745، 746، 747، 748، 749، 750، 751، 752، 753، 754، 755، 756، 757، 758، 759، 760، 761، 762، 763، 764، 765، 766، 767، 768، 769، 770، 771، 772، 773، 774، 775، 776، 777، 778، 779، 780، 781، 782، 783، 784، 785، 786، 787، 788، 789، 790، 791، 792، 793، 794، 795، 796، 797، 798، 799، 800، 801، 802، 803، 804، 805، 806، 807، 808، 809، 810، 811، 812، 813، 814، 815، 816، 817، 818، 819، 820، 821، 822، 823، 824، 825، 826، 827، 828، 829، 830، 831، 832، 833، 834، 835، 836، 837، 838، 839، 840، 841، 842، 843، 844، 845، 846، 847، 848، 849، 850، 851، 852، 853، 854، 855، 856، 857، 858، 859، 860، 861، 862، 863، 864، 865، 866، 867، 868، 869، 870، 871، 872، 873، 874، 875، 876، 877، 878، 879، 880، 881، 882، 883، 884، 885، 886، 887، 888، 889، 890، 891، 892، 893، 894، 895، 896، 897، 898، 899، 900، 901، 902، 903، 904، 905، 906، 907، 908، 909، 910، 911، 912، 913، 914، 915، 916، 917، 918، 919، 920، 921، 922، 923، 924، 925، 926، 927، 928، 929، 930، 931، 932، 933، 934، 935، 936، 937، 938، 939، 940، 941، 942، 943، 944، 945، 946، 947، 948، 949، 950، 951، 952، 953، 954، 955، 956، 957، 958، 959، 960، 961، 962، 963، 964، 965، 966، 967، 968، 969، 970، 971، 972، 973، 974، 975، 976، 977، 978، 979، 980، 981، 982، 983، 984، 985، 986، 987، 988، 989، 990، 991، 992، 993، 994، 995، 996، 997، 998، 999، 1000

لاہور: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، شاداب، شہین بی، رحمت سراج، مسیحہ ماحد، خواتین کا گھریلو انسائیکلو پیڈیا

لاہور: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، شاداب، شہین بی، رحمت سراج، مسیحہ ماحد، خواتین کا گھریلو انسائیکلو پیڈیا

”اور ہاں وہ چھوٹیاں کہاں ہیں، بلاؤ ذرا ان تینوں کو۔“ بیلا کو ایک کبھی، جتنی اور سیمیا کی فکر لگ گئی۔
 ”اب انہیں کیا بنی پر اٹھالی ہے، خدا کا واسطہ ہے بچیوں کو تو بخش دو۔ تمہارا اپنا دماغ تو خراب ہو چکا ہے کیوں ان معصوموں کو بھی اب نارمل بنانے پر تلی نہیں ہو۔“

بیلا سے اس طرح کی بات صرف بیٹائی کر سکتی تھی، وہ واضح طور پر اپنا بڑی بہن والا ایجنڈا کیش کر رہی تھی۔ یوں تو بیلا نے چھوٹی بہنوں پر جو لیزر شب بٹاری تھی، وہ ہم میں سے کسی کو ابھی پسند نہ تھی لیکن سوائے بیلا کے اور کوئی کھلم کھلا اس پر تنقید کرنے کا حوصلہ نہ رکھتا تھا جتنی کہ میں بھی نہیں، تمام ناز میں بیلا سے قریب تر ہوئے گا، مونی تھا۔

”ہاں نارمل تو بس تم ہی ہو۔“ مونی بولایا، بڑبڑائی اور کمرے سے نکلی گئی۔

”چلو اب جا کر دیکھو کہ بیلا کی ان تینوں بھانجیوں کا بیچاروں کا اس تھکے سے کیا تھکتا ہے۔“ ہم چھوٹے دو ہی تو بیٹے ہیں، ان دونوں کے آج روپ کے لحاظ سے سحاب، شاداب، گل، زیلا، رحمہ اور کشف ہی میں سے سلیکٹ کریں گی، اپنی ہوس میں۔ ان چھوٹیوں کو بیکھر دینے کا کیا فائدہ۔“

”لف۔ لف۔ لف۔“ شاداب نے بیلا کا کافی لمبا کھینچتے ہوئے دہائی دی۔ ”لبنارمل تم دونوں بہنیں ہی ہو۔ ایک وہ بے شادی، بیاد اور رشتوں کے ٹاپک سے حد درجہ الرجک اور ایک تم ہو جسے دنیا میں اور کوئی موضوع ہی نہیں ملتا سوائے رشتہ لاسنے والی مائیوں کی طرح لڑکیوں کی بروہتی عمروں اور رشتوں کی عدم دستیابی پر سیر حاصل تبصرہ کرنے کے۔ پلیز ذرا امی اور آئیوں کے ساتھ کم اٹھا بیٹھا کرو۔“

اب کے شاداب نے اپنے بڑے ہونے کا فائدہ اٹھایا اور گل بین کو لٹاؤ کر رکھ دیا، وہ برے برے منہ بنائی اٹھ کھڑی ہوئی۔

”توبہ ہے، آؤ سحاب! ہم میرس پہ چلتے ہیں۔“ اس نے رحمہ کو اسکیچ بناتے، کشف کو اسٹڈی کرتے اور

شاداب کو لڑنے پر آمادہ دیکھتے ہوئے مجھے اپنے ساتھ نکلنے پر اکسایا۔ اپنے بچاؤ کے لیے میں نے قریب پڑا نیوز پیپر اٹھا لیا۔

”ہم چلو، میں بس ابھی آئی۔“ اس کے نکلتے ہی میں نے سکون بھری سانس لی۔

رحمہ نے سر اٹھا کر مجھے مسکرا کر دیکھا، میں بھی جھینپ کر مسکرا دی۔ بیلا کو خالصتا ”عورتوں والے“ سنجیدہ گھریلو مسئلوں میں الجھنے کا خط تھا، کوئی بھی تازہ ترین واقعہ اسے کئی دن تک بحث چھیڑنے کا موقع فراہم کر جاتا اور میں جانتی تھی کہ اگلے دو چار روز میں ”شہنم“ چھپو کے آنے سے پہلے پہلے ہی وہ ان کے دونوں بیٹوں کے لیے ہم میں سے دو کو خود ہی فائل کر لے گی اور پھر پھوپھو کے دل میں جگہ بنانے کے لیے بیش بہا مشوروں سے بھی نوازے گی۔ جب سے اس کی مطلبی ہوئی تھی تب سے وہ بھی بڑی امی، آنٹی راجہ اور آنٹی فیصلہ کی طرح ”بکریوں“ کی فکر میں ہلکان رہنے لگی تھی۔ اس کی اس عادت سے ہم سب تو بے زار تھے ہی، بیلا سب سے زیادہ تپتی تھی۔

اس وقت بھی اس کی پور کرنے والی گفتگو سے بچتے ہوئے میں نے نیوز پیپر کے اسپورٹس اسکینل کے پیچھے پناہ لی۔ اس کے کمرے سے نکلتے ہی میں نے بے سوریاً کے نسواری چہرے پر بچی جاسمی ہونٹوں سے جھانکتی، دودھ جیسے سفید دانتوں کی قطار کو منہ بناتے ہوئے دیکھا اور پیپر تہ کر کے ایک طرف رکھ دیا۔

”یار! کوئی نیوز تو سناؤ۔“ کشف نے اپنی کنگ سائز کتاب کے پیچھے سے فرمائش داغی۔

”تم خود کبھی اخبار پڑھنے کی زحمت نہ کرنا۔“ اس کی سسل پسندی کو لٹاؤتے ہوئے میں نے نیچے لاؤنج میں جانا زیادہ مناسب سمجھا۔ لیلیٰ آپی آج خلاف معمول گھر پہنچیں۔

”آپی! آپ! میٹل نہیں گئیں۔“ میری آواز پر وہ ایک دم چونک گئیں۔ ہاتھ میں پکڑے کیشن اچھل کر نیچے جا گرے۔ خالی خالی نظروں سے وہ مجھے دیکھنے لگیں۔ میں سمجھ گئی کہ حسبِ عادت وہ ایک

معمول کی طرح گورکشن پہ چڑھانے کا کام انجام دے رہی تھیں اور دماغ ان کا اس وقت کسی اور جہان کی سیر کر رہا تھا، میری آواز انہیں سیدھا منظر میں گھسیٹ لائی تھی۔ اس لیے سوال دہرایا۔

”میری بات بولی ہے۔“

”تو پھر جا کر آب آرام کیجئے یہ کہیں کاموں میں لگی ہیں، ساری رات باگتاتے تو جا کر چند گھنٹے سو لیں۔“ میں نے ان کے ہاتھ سے باقی کے کٹھن لے لیے۔

”ہاگل۔“ وہ سر جھٹک کے مسکرائیں ”یہ کوئی سونے کا وقت ہے اور بھانڈا بند بھی ایسے آتی ہے کہ جب چاہیں آف لیا سکتے ہیں، تن لیا نیند پوری ہو گئی۔“

”آپ کا آتا نہیں، میری نیند بس ایسی ہی ہے، سونے کا آرام کرتی ہوں اور آنکھیں بند۔“ فون کی بیل پر میں کھڑی رہی، چھوڑ کر گارنر پر رکھے ٹیلی فون سیٹ کی جانب ہل گئی۔ آٹ ویک اینڈ تھا اور یہ وقت عونا کے فون کرنے کا تھا۔ دوسری طرف دعا تھی وہ تھا۔

”سحاب۔“ اچھے پتا تھا تم ہی ہو گی ٹو مالٹی کلاؤ۔ ایک گھنٹہ تو کہیں نہیں گئی۔ کاشی تم جان سکتیں یہ لالنگ و سٹنس کئی اس وقت مجھے تھی بخاری محسوس ہوتی ہے، جب دوسری طرف تم میرے تھے گفتی ہو۔“ میری ہیلو کے جواب میں اس نے دہائی دی۔

”مذہباً نہ سلام۔ رسا پور کی تیسری روٹیوں میں ایسا کون سا نمک ڈالتا ہے جس سے تمہارے دیرے ہوائی کر سکیے ہیں۔“ میری بے مروتی بد لحاظی زندہ دلائل شہر لاہور سے نکلنے کا نتیجہ ہے۔“

”سلام بھی کر لیتے ہیں جناب اور دعا بھی دے لیتے ہیں، جائے لی لی جناب رحمت اللہ چودھری، خدا آپ کے شر سے اہل خاندان کو محفوظ رکھے، اچھا اب می اور بڑی امی سے بات کرو، میری پاپا گھر پہ ہیں کیا؟“

”ہیلے مجھ سے تو نمٹ لو پیڑے۔“ سامنے بیٹھی مسکراتی لیلی آئی کو بھی میں نے اشارے سے منع کر دیا کہ ابھی وہ کسی کو عطا کے فون کا نہ بتائیں، میں جانتی تھی اس سے بات کرنے کے لیے ابھی گھر بھرا کٹھا ہو

جائے گا۔

”تم سے تو اللہ ہی نمٹے گا جلیبی۔ وہ بھی جلی ہوئی!“

”اچھا یہ جتاؤ، کیسی گزر رہی ہے، لیفٹ رائٹ کرتے ہوئے۔“

”تمہارے بغیر خاصا تر سکون ماحول ہے۔“ اس نے مسلسل میرا دل جلاسنے کی کوشش جاری رکھی لیکن میں ڈھیٹ بنی رہی۔ جانتی تھی اس وقت ہر منٹ گزرنے پر اس کا خون خشک ہو رہا ہو گا، بڑھنے کے خوف سے میں نے اس کی تیز ہز ہوتی شکل کا تصور کرتے ہوئے منو لیا۔

”ہاں لٹو بیڑے، ایک ضروری بات پوچھنی تھی، کب سے پوچھنا چاہ رہی تھی مگر موقع ہی نہیں ملتا تھا، آج یاد آئی تو سوچا تم سے پوچھ لوں۔“ دیکھو بیچ بیچ بتاتا۔“

”ہاں ہاں۔ کیا بات ہے؟“ میری توقع کے عین مطابق وہ تجسس ہو گیا۔ میں نے بھی سچے میں حد درجہ سنجیدگی بھرتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں کہنا شروع کیا۔

”سنو بیہ جو تمہارے محسوس کا دھولہ ہے، کیا وہ بھی تمہارے موزے دھوتے ہوئے آپا فاطماں کی طرح اٹلیاں کرتا ہے۔؟“

جملہ مکمل کرتے کرتے میری خود ساختہ سنجیدگی فوت ہو گئی اور قہقہہ اہل پڑا۔ دوسری طرف مکمل خاموشی بتا رہی تھی کہ وہ اس وقت بے بسی کی انتہا پہ کھڑا دانت نہیں رہا ہو گا۔ لی سی او سے فون کرنے کی وجہ سے کال ڈس کنیکٹ بھی نہیں کر سکتا تھا کہ پھر دوبارہ نجانے کب باری آئے اور یہی وقت ہوتا تھا اسے جی بھر کے تنگ کرنے کا۔ لیلی آئی کی سرزنش کو کسی خاطر میں نہ لاتے ہوئے میں نے اپنا مشغل جاری رکھا۔

”چہ چہ، بری بات۔“ اچھے بچے ایسے نہیں کرتے، میں جانتی ہوں اس وقت تم اپنے وسیع و عریض چہرے پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے میرے بارے میں کوئی ناشائستہ

کلمات کہہ رہے ہو گے۔

”صحاب! میں آخری بار کہہ رہا ہوں میری جان چھوڑ دو ورنہ تمہارے حق میں بہت برا ہو گا۔“

”چھا کیا کر لو گے تم؟“

”میں اسی ہفتے لاہور آ رہا ہوں پھر آکر بتاؤں گا۔“

اس نے دھمکی دی میں خود فروغ ہونے کے بجائے خوشی سے چلا اٹھی۔

”جی! چلے! تم آ رہے ہو؟ زیادہ دنوں کے لیے“

”قرب سے ذلیل ذلیل قدموں سے گزرتی چوہو سی عطا اللہ کی چھوٹی بہن ۵ سات حرف کہتی تے کلن کہتے ہوئے چلے گئے۔“

”اسٹی بھیا۔ اسٹی بھیا۔“ اس نے ساری سستی بولائی اور چھوٹی سی طرف سے ہر طرف سے اس نے خبر گیری کی۔

”اس نے خبر گیری کی۔ اس نے خبر گیری کی۔ اس نے خبر گیری کی۔ اس نے خبر گیری کی۔“

”اس نے خبر گیری کی۔ اس نے خبر گیری کی۔ اس نے خبر گیری کی۔ اس نے خبر گیری کی۔“

”اس نے خبر گیری کی۔ اس نے خبر گیری کی۔ اس نے خبر گیری کی۔ اس نے خبر گیری کی۔“

”اس نے خبر گیری کی۔ اس نے خبر گیری کی۔ اس نے خبر گیری کی۔ اس نے خبر گیری کی۔“

”اس نے خبر گیری کی۔ اس نے خبر گیری کی۔ اس نے خبر گیری کی۔ اس نے خبر گیری کی۔“

”اس نے خبر گیری کی۔ اس نے خبر گیری کی۔ اس نے خبر گیری کی۔ اس نے خبر گیری کی۔“

کے اور کون سے کون سے لفظ سیکھے ہیں چار سہ کے چلی کیا بکھائے یا نہیں۔“ اور اس کے پیچھے لائن بنا کے کھڑی ”چھوٹیاں“ کہتی، حسنی اور سیمہ۔ بظاہر بڑے صبر سے اپنی باری کا انتظار کر رہی تھیں۔

”اگتنا خوش نصیب ہے یہ عطا بھی۔ ماشاء اللہ۔“

اسے اتنے لوگوں کی محبتیں سمیٹتے دیکھ کر مجھے بے ساختہ رشک سا آیا پھر داد کی گھوریاں تصور میں آتے ہی میں نے گڑبڑا کر ماشاء اللہ کہا۔ جب داد زندہ تھیں تو ہم سب ہی کزنز عطا سے خار کھایا کرتیں۔ داد داد کی ساری شفقتیں، عنایتیں اس پر چھاور ہوتے دیکھ کر جل جل کر جل سگری بن جایا کرتیں اور ہمارے بلکے سے کسی حاسدانہ جملے پر وہ غضب ناک ہو کر کھو رہیں۔

”اسے شیریں! یہ ان لڑکیوں کو یہاں سے لے جائے۔ کم خست، ہاریاں ایسے دیدے پھاڑ پھاڑ کر ہمارے شہزادے کو کھانا دیکھ گھور رہی ہیں حالانکہ پہلے میں نے انہیں ایک ایک کیلا پکڑایا پھر عطا اللہ کو کھلانے بیٹھی ہو مگر یہ جو ”بکریاں“ ہیں نا منٹوں میں سب خیر کر اس پر خطر لگا کر بیٹھ جاتی ہیں۔“

”اور بڑی امی سارے کالم کالج چھوڑ چھاڑ کر مجھے ”بیلا“ پنا شاداب اور رحمہ کو گھسیٹ لے جائیں اور تب ہی کسی دن بڑے غصے سے عطا کے پھولے پھولے گالوں والے گول چہرے کو دیکھتے ہوئے میں نے اسے ”لڈو“ پیرے کا خطاب دیا تھا۔

میری چونکہ اس سے اچھی خاصی بات ہو چکی تھی لہذا اپنے اور شاداب کے مشترکہ کمرے کا رخ کیا۔ جہاں ہمیشہ کی طرح بیلا پہلے سے موجود تھی اگرچہ اس کا اور بیلا کا کمرہ ایک تھا لیکن چونکہ دونوں کی چوچیں اکثر لڑتی رہتیں اس لیے وہ تب اپنے کمرے کا رخ کرتی جب بیلا کے سونے کا ایک یقین ہو جاتا۔ مجھ سے اس کی خوب ہنسی شاید اس لیے کہ مجھے کرید کرید کر سوال کرنے کی عادت نہ تھی۔ اب بھی میں نے اس سے بالکل نہ پوچھا کہ وہ سارے گھر کی طرح عطا سے بات کرنے کی خواہاں کیوں نہیں۔ اسے میری یہی عادت

پسند تھی کہ میں بلاوجہ کسی بھی عمل کی وجہ دریافت کرنے کھڑی نہیں ہو جاتی حالانکہ وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ میرے سوال نہ کرنے کی وجہ میری بے نیازی نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے کبھی کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ تھی، میں نے سوچا کہ میں نے سب کچھ پتا چل جاتا ہے۔ یہی ہاں میری باتوں اور خصوصیات میں یہ سرفہرست خصوصیت ہے میری قیادہ شناسی جو غشپ کی ہے۔

”تیار رہنا آ رہا ہے اور یہاں سے لے کر“
”یوں کہ میری باتوں سے بہت سے لوگوں کے لیے“
”اس نے یہ بات کہہ کر میری باتوں کو اپنی تلی اندر آئیں۔“

”تم دونوں فلسفہ ہو تو جا کر ذرا سوچو۔“

”روز کے تلی ایک دن وقت ختم ہو چوئے
آنا ہو گا اس سے آج کا دن ختم کر دینا چاہیے
کا یہ نامہ پھر سے کر دینا چاہیے۔“
میرا اس سے کہ وہ میری باتوں سے بہت سے لوگوں کے لیے
سب سے زیادہ اہم بات ہے کہ میں ان متوجہ مسلمانوں سے
نجات کیوں کر حاصل کر سکتی ہوں۔

”وہ لوگ کھانچ کی خدمت سے آ رہے ہیں۔ پہلے
چھپوئے اپنے سرال جانا تھا اور ایک ہفتے کے بعد
اوپر آنا تھا لیکن اب پتا چلا ہے کہ ان کی سانس اپنے
بڑے بیٹے کی فیملی کے ساتھ عمر ہے۔ کئی ہیں اس لیے
وہ سیدھا نہیں آئیں گی۔“ میں نے اسے اطلاع دی تو
وہ منہ کر چپ ہو گئی۔

میری زندگی کا میرا سال ختم ہو کر پھر شروع ہو رہا
تھا جب پایا کی انگلی تھکتے ہیں ”پنودھری ہاؤس“ میں
داخل ہوئی اور اس منظر سے میرے حافیئے کی کتاب کا
پہلا ورق کھلتا ہے۔ میرے ساتھ مجھ سے بڑی بہن
شاداب اور پایا کی گود میں مجھ سے چھوٹی سیماب تھی۔
میں بڑی بڑی آنکھیں کھولے پایا کو داد کی گود میں

سر رکھ کر تو کبھی داد کے کانڈھے سے لگ کر روتے دیکھ
رہی تھی۔ بالکل پایا کی جیسے دیکھنے والے ایک انکل
جن سے بڑے ابو کہہ کر تعارف کرایا گیا تھا بار بار پایا کو
چپ کراتے ہوئے داد کو بھی مزید بولتے اور گلے
شلوے کرنے سے باز رکھ رہے تھے۔ ان کے ساتھ ہی
ایک خوب گوری چچی صحت مند سی عورت کی گود میں
میری دو ماہ کی بہن سیماب ایک طرف گردن ڈالے سو
رہی تھی۔ میں حیران رہ گئی سیماب کتنے دنوں سے پایا کے
لیے مسئلہ بنی ہوئی تھی۔ روتی تو چپ ہی نہ ہوتی اور
سوتا تو جیسے اسے آہانی نہ تھا۔

شاداب ایک طرف لائن بنا کر کھڑی تین بچیوں کی
طرف متوجہ تھی۔ ایک میم آگے آئی شاداب کا ہاتھ
پکڑ کر اس کا تعارف ان بچیوں سے کرانے لگی۔ ان
بچیوں میں تیسری جو سب سے چھوٹی تھی شاید بالکل
میری ہی عمر کی وہ ہو سو اس میم کی کاپی تھی۔ ویسی ہی
گوری گلابی رنگت، کھڑے نقوش، نیلی کانچ سی
آنکھیں اور بلکے سنہرے بال جو وہ بھی منی پونی ٹیل
میں بندھے ہوئے تھے ایسی ہی ایک سنہرے بالوں اور
نیلی آنکھوں والی گریا اس میم کی گود میں بھی تھی جس
کے منے سے لب بے حد مسخ تھے۔ میں دلچسپی سے
اس میم اور انگریز گریوں کو دیکھنے لگی۔ صینک والے
انکل نے جن سے پایا نے بڑے پایا کہہ کر تعارف
کرایا تھا میرا ہاتھ تھام کر اپنے پاس کھینچا اور آواز دی۔

”کشف!“
وہی انگریز گریا بھاگ کے آئی اور بڑے پایا نے مجھے
اس کے ساتھ کھینچے کھینچے دیا۔ بڑے کمرے سے نکلتے
ہوئے میں نے چائے کی ٹرائی اندر لاتے ہوئے ایک اور
نازک سی دلہن جیسی آنٹی کو دیکھا دلہن اس لیے کہ
وہاں موجود تمام آنٹیوں میں اس نے میک اپ بھی کیا
ہوا تھا، کانوں میں لٹکتے بندوں کے ساتھ ساتھ گلے
میں لاکٹ اور مولی سی چین بھی موجود تھی۔ انگلیوں
میں کئی ایک رنگز اور کلائی میں سونے اور کانچ کی
چوڑیاں بھی تھیں جبکہ وہ میم آنٹی ان کے گلے میں بس
اللہ والا لاکٹ اور دوسری والی کی ایک کلائی میں عجیب

موٹا سا کنگن پھنسا ہوا تھا۔ یہ تھا میرا پہلا تعارف چودھری ہاؤس کے مکینوں سے۔ جلد ہی میں نہ صرف ان سب سے واقف ہو گئی بلکہ خود سے بھی۔ ہاں دادو کی بدولت وقت سے بہت پہلے ہی مجھے وہ باتیں بھی معلوم ہو گئیں جو شاید پاپا مجھ سے ابھی چھپانا چاہتے تھے۔

بڑے چودھری صاحب یعنی میرے دادا گلوں سے شہرائی کر آئے تھے۔ اس لیے گھر میں روایتی نظام اور خاندانی رکھ رکھاؤ واضح طور پر نمایاں تھا لیکن پوش علاقے میں رہائش رکھنے والی حیثیت اچھی ہونے اور پھر سب سے بڑھ کر اولاد کو اچھے اداروں میں پڑھانے کی وجہ سے بہت جلد پینڈوبن کا رنگ پھیکا پڑنے لگا۔ ان کی بیٹی کوئی نہ کبھی چار بیٹے تھے چھوٹے بھائی کی بیٹی کو نکاح کی وجہ سے اپنے ساتھ شہر لے آئے تھے۔ رہتا تھا اگر خود ایک اچھے تعلیم یافتہ گھرانے میں شادی کی۔ یہی غلط چھوچھو تھیں جو کہ ان سے چند سال بعد ہی اپنے شوہر کے ساتھ ساتھ تھیں۔

دادو اچھے رعب و آب والے گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے آگے ان کا پس منظر تھا۔ وہ ایک ایسی ہی عورت تھیں۔ بڑے بڑے بے باکیت کے ساتھ ان کی شادی ہوئی تھی۔ اس کے بعد اور گھر پر اثر اطلاع دی۔ دادو کے لیے چاندی و لہسن و حوند نے کاغذ ابھارتے ہوئے تھے۔ لیکن اس نے اپنے کسی دوست کی بیٹی سے رشتہ ہو کر تھا جو افغانی بڑا و قافیوں کا تاجر تھا اور چند سال قبل ہی قندھار سے ڈیرہ اسماعیل خان کی رہائش پزیر ہوا تھا۔ لہٰذا ان کی چاندی ضرور تھی مگر بیٹے سے چند سال بڑی اور سسرال کی زبان پنجابی سے تامل ہونے کے علاوہ دادو بھی ٹوٹی پھوٹی بولتی تھیں۔ دادو فارسی اور پشتو بولنے والی اس کیسے ترائی گوار اطوار والی بہو سے ذرا خوش نہ ہوئیں۔ یوں بڑی امی یعنی شیریں بی بی چودھری ہاؤس کی پہلی اور بڑی بہو ہونے کے ساتھ ساتھ ناپسندیدہ بہو بھی کہلا گئیں۔

دادو نے دادا کے خلاف اسینڈ لیا اور انہیں مزید کسی بیٹے کے سلسلے میں کوئی اختیار دینے سے صاف انکار کر

دیا۔ دوسرے بیٹے نعمت اللہ چودھری یعنی بڑے پاپا نبوی میں تھے۔ اب دادو نے ان سے زور دینا شروع کر دیا اور ساتھ ہی ساتھ برادری میں لڑکیاں دیکھنا بھی جاری رکھا لیکن بڑے پاپا ان کی ہر منتخب کردہ لڑکی کو مسترد کر دیتے۔ ایسے میں بڑے ابو کے ہاں گل بیٹی، گل رخ کا اضافہ ہو گیا اب دادو کے دل میں پوتے کے ارمان بھی مچھلنے لگے۔ ان کے بڑھتے و باؤ سے تنگ آ کر بڑے پاپا نے صاف کہہ دیا کہ وہ شادی کرنے پہ تیار نہیں اور خصوصاً برادری میں تو ہرگز نہیں۔

ناچار دادو نے اپنی خالہ زاد بہن کی بیٹی سمیرا کو جو انہیں خاصی بھائی تھیں، اپنے تیسرے بیٹے رحمت اللہ چودھری یعنی میرے پاپا کے لیے مانگ لیا۔ خوب جوش و خروش سے شادی کی تیاریاں شروع ہوئیں، سارے ارمان نکالے گئے۔ بچاری شیریں بی بی جو ساس کو خوش کرنے کے لیے پراندہ باندھنا شروع کر چکی تھیں (مینڈوبیاں چھوڑ کر) برقعہ اوڑھنا شروع کر چکی تھیں (افغانی چادر ترک کر کے) اور پنجابی آمیز اردو بولنے کی پریکٹس بھی کرتی رہتی تھیں اس کے ساتھ ساتھ ان تین سالوں میں انہوں نے دن رات پنجابی کھانے پکانے کا ساس سسر کو کھلائے، آدھی آدھی رات تک ساس کی ٹانگیں دبا دیں۔ ان تمام کاوشوں کے باوجود وہ ساس کی نظر میں معتبر نہ ٹھہر سکیں جبکہ سمیرا یعنی میری مٹی چودھری ہاؤس میں آنے سے پہلے ہی دادو کی پسندیدہ اور جیتی بسو کی سند پانچکی تھیں کیونکہ وہ پنجابی تھیں، برادری کی تھیں اور سب سے بڑھ کر دادو کا اپنا انتخاب۔

اسی شادی پہ ایک اور دھماکا ہوا اور وہ تھا بڑے پاپا کی اپنی فرج بیوی کے ساتھ اچانک آمد۔ دادو کو اپنی من پسند بہو لانے کا سارا مزا کر کر اہوتا محسوس ہوا۔ جتنا ہو سکتا تھا بیٹے سے ناراضی دکھائی، برا بھلا کہا لیکن ایک تو شادی کا موقع، دوسرے گھر میں مسانوں کا نامنا اور سب سے بڑھ کر نئی آنے والی بسو کی خوب صورتی، بات دو چار دنوں میں دب ہی گئی لیکن دادو نے اپنی جلدی دل صاف نہ کیا۔ بڑے پاپا اپنی نئی نویلی دلہن

امیر مل کے ساتھ اگلے ہی ہفتے واپس چلے گئے۔ یوں بھی ان کی شادی کو چند ہی روز ہوئے تھے اور ان کی من چاہی بیوی کا سوا گت اتنے کھلے دل سے نہ ہوا تھا کہ وہ مزید رکنے کا سوچتے۔

میری مٹی کو چودھری ہاؤس میں ایک خاص اسٹیشن حاصل ہوا۔ وہ بائی دونوں بسوں کے مقابلے میں اپنی اپنی ٹھیں اس لیے ان کی آواز بھگت زیادہ ہوئی۔ دادو نے بڑی بس کے مقابلے میں ان کو واضح اہمیت دینی شروع کی۔ ان کے بازو پر کسی شہزادی کی طرح اٹھائے گئے لیکن نجانے کیا بات تھی کہ ان کا دل اس گل نما کو بھی میں نہ لگا۔ اس وقت اسے لوگ تو نہ رتے تھے یہاں کہ وہ ٹکب پر تھیں لیکن وہ تنگ آنکھیں اور بست جلدی تنگ آنکھیں۔ مستند یہ کہ انہوں نے دوسروں کو بھی تنگ کرنا شروع کر دیا۔ یہ شادی کے چھ ماہ بعد ہی الگ کر کے لیے نور ڈالنے لگیں۔ پاپا کے لیے ان کی اس فہمائش پر قتل کرنا مشکل تھا وہ ماننے لگے تو مٹی دوسرے حربہ آزمانے لگیں۔

انہوں نے دادو اور دادا کے اصول و ضوابط کی کھلم کھلا خلاف ورزی شروع کر دی۔ محض ایک اسے تنگ کی تعلیم کے زعم میں ان کی کرسمس کا اعلان کر دیا جبکہ ان دنوں وہ انسید سے بھی ٹھیں ظاہر ہے کہ ساس سسر نے مخالفت ہی کرنا تھی اور ایسی صورت میں جب ملازمت بھی کوئی قابل احترام نہ تھی۔ کئی کئی دن تک وہ کمرے سے نہ نکلتیں کھانا اندر منگواتیں، گھر آئے عزیز واقارب کو سلام کیے بغیر آرام سے پاس سے گزر جاتیں۔ بغیر کسی کو بتائے اجازت لیے کیس چلی جاتیں دادو کے سارے لاؤنجرے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اپنے انتخاب کے کرتوتوں پر وہ شوہر اور بیٹے سے منہ چھپائے پھر تھیں۔

پھر شاداب کی پیدائش ہوئی، روایت کے مطابق پہلی اولاد نضال میں ہوئی ہے لیکن شاداب کو پیدا ہوئے سات ماہ گزر گئے اور مٹی نے سسرال میں قدم رکھنا گوارا نہ کیا۔ ان کی ایک ہی ضد تھی۔ الگ گھر۔ ناچار دادو اور دادا کو گھٹے نیچے پڑے، انہیں اس فیصلے

تک لانے میں بڑے ابو کا بھی ہاتھ رہا۔ ان کے جانے کے بعد دادو اور دادا کو پھر سے بڑی مٹی نے ہی سنبھالا۔

ایسے میں بڑے پاپا کی طرف سے یہ خبر ان کے مرہ دلوں میں نئی جان ڈالنے کا سبب بنی کہ وہ ایک بیٹے کے باپ بن چکے ہیں، دادا کی خواہش یہ پہلے پوتے کا نام عطا اللہ رکھا گیا۔ حالانکہ اس سے پہلے بڑے ابو کی بیٹیوں کے نام رکھتے میں کسی نے دلچسپی نہ لی اور بڑی امی خود ہی اپنے افغانی ٹائپ نام رکھتی تھیں۔ پہلے گل لیلیٰ، پھر گل رخ اور عطا اللہ کے چند ماہ بعد ہوسنے والی گل بین۔ ماں باپ کی خواہش یہ بڑے پاپا بیٹے اور بیوی کو لے کر پاکستان چلے آئے اپنی فریج بسو کو دیکھ کر دادو اور دادا کو ایک اور خوشگوار حیرت کا سامنا کرنا پڑا۔ امیر مل اب رابعہ نعمت بن چکی تھی۔ انہوں نے اسلام کو محض شوہر کا مذہب جانتے ہوئے نہیں بلکہ دل اور روح کی گہرائیوں سے قبول کیا تھا۔ یہ بات ان کے ہر عمل سے واضح تھی۔

یوں مٹی کے جانے کے بعد دادو کی پسندیدہ بسو کا عہدہ رابعہ آنٹی نے سنبھال لیا۔ یوں بھی اب وہ ایک مجدد بیٹے کی ماں تھیں یعنی جو کارنامہ اب تک ان کی دونوں بسوؤں نے نہ کیا تھا وہ انہوں نے انجام دیا۔ بعد میں بھی یہ ریکارڈ بدستور قائم رہا یعنی عطا اللہ کے بعد بڑے چودھری صاحب کے کسی بیٹے کو اولاد نہ پہنچے نہیں ہوئی البتہ ان کی زندگی میں بیٹی کی جو مٹی رہ گئی تھی وہ ہر سال آنے والی پوتیوں نے پوری کر دی یہاں تک کہ دادو بوکھلا گئیں۔

”آئے ہائے گھر ہے کہ گوال (بکریوں کے رہنے کی جگہ)۔“

ان کے چھوٹے صاحبزادے چودھری حبیب اللہ یعنی چاچو کے لیے دلہن کا انتخاب بھی بڑے پاپا اور رابعہ آنٹی نے کیا۔ فاضلہ آنٹی بڑے پاپا کے ایک پروفیسر کی بہن تھیں۔ دادو کو کوئی اعتراض نہ ہوا ہوتا بھی کیسے، فاضلہ آنٹی ہر اعتبار سے پسند کیے جانے کے قابل تھیں۔ خوب صورت، باوقار، اعلیٰ فیملی بیک گراؤنڈ کے ساتھ تعلیم یافتہ بھی تھیں۔

اپنی تعلیم سے فائدہ اٹھانے کی نیت کرتے ہوئے انہوں نے دادا سے ملازمت کی اجازت مانگی۔ انہیں ایک اچھے تعلیمی ادارے سے لیکچرر شپ کی آفر ہوئی تھی جسے انہوں نے شادی کی وجہ سے ٹال دیا تھا، ان کا اجازت طلب کرنے کا انداز اتنا پیارا تھا یا ملازمت بہت باوقار تھی یا پھر شاید بدلتے وقت کا تقاضا تھا کہ وہ مان گئے۔ یہ خبر دو سرے شہر میں سارے خاندان سے کٹ کر بھئی میری مٹی تک پہنچی اور وہ تڑپ گئیں۔ لڑنے جھگڑنے کو ایک نیا موضوع مل گیا۔ پیاسے لاکھ سمجھایا۔

”وہ گولڈ میڈلسٹ ایم ایس کی انجینئر ہے۔“
 عہدہ کلج میں لیکچرر تھی۔ جبکہ تم ایک خنیاں تے انہیں
 میں اسٹیو کی چاب کر کے چنی چھین لیتے ہیں۔

لیکن یہ تلخ سچائی مٹی سے دشمن نہ ہوئی۔
 روز بروز بڑھتے چلے۔ شاداب تک چورس کل اور پھر
 سیماب کی آمد آمد تھی کہ ایک ذرا اور بڑھنے کے بعد
 مٹی کے جلی گئیں میں اور شاداب نے۔ یہ سب یہ
 ان کا معمول تھا کہ صبح نہ بڑھ صبح نہ بڑھ نہ بڑھ نہ بڑھ
 جاتیں اور پھر پلایا سنا کر لاتے۔ اس بار شاداب پلایا تو وہ
 میں تھے، منانے نہ گئے۔ تھیں وہ نہ گئے اس سب
 نیازی نے مٹی کو کھولا کر رکھ دیا اور اتنی عالم میں انہوں
 نے انتہائی قدم اٹھالیا۔ پلایا کو حلق کے ٹوٹنے کے ساتھ
 ہی دو ہفتے کی سیماب بھی موصول ہوئی۔

چند مشکل ترین دن اور راتیں گزارنے کے بعد وہ
 اس خود ساختہ سزا سے بھرا گئے اور ماں کے دامن میں
 پناہ لینے دوڑے آئے اور وہی دن تھا میرا چودھری ہاؤس
 میں پہلا دن۔

دادو کو بیٹے کی ربائی اور دایہ سے جہاں خوشی ملی
 وہیں بکریوں کے ریوڑ میں اٹھانے نے افسردہ کر دیا۔
 بڑے ابو کے ہاں گل بین کے بعد گل بیٹا آچکی تھی۔
 بڑے بابا کے عطا اللہ کے بعد کشف اور کائنات نے ان
 کی فیملی تکمیل کر دی تھی جبکہ چاچو اور فضیلہ آنٹی کی
 فیملی مختصر تھی رحمہ اور حمہ۔

ایسے میں ہم تینوں کی آمد نے عطا اللہ کی قدر اور
 برصا دی۔ وہ حج بن کے دادو کے جنگ پہ بیٹھا رہتا اور وہ
 اسے حلوائے، امڈے، مٹھائیاں، کیک، پیسٹریاں اور
 پھل کھلا کھا کر مونا کرتی رہتیں۔ عجیب شخص سا بچہ
 تھا۔ نہ کھیلتا، نہ شرارتیں کرتا، بس دادو کی گود میں بیٹھا
 کچھ نہ کچھ ٹھونستارہتا۔ ہم سب اس کی آواز بھگت سے
 حسد کرتے اور جہاں موقع ملتا بدلہ لینے سے نہ
 بچتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ لڑکیوں کے اس جتنے کے
 نقشے سے برا کھیرتا۔ ذرا اکیلا ہوتا تو کبھی شاداب بھوت
 کا ماسک پس کر ڈراتی، کبھی میں ٹانگ اڑا کر ڈراتی،
 کبھی کل پلایا اس کو بھگتے ہوئے گیند کو زور دادو دھکے کے
 ساتھ آگے ڈراتی، کبھی گل بین چپکے سے اس کی ہوم
 درگ کا پی کاورق پھاڑ لاتی۔

دادا کی اچانک وفات نے دادو کو مست چیز بنا کر دیا اب
 ہمیں عطا اللہ کو آزاد بھی چھوڑنے لگیں۔ ذرا ان کی
 اذیت کم ہوئی تو ہم سب کے دلوں میں بھی اس کے
 خلاف نفرت کم ہونے لگی۔ باشعور ہوتے ذہنوں میں
 اس کے اگھوتے ہونے کا احساس شدت سے جڑ
 پکڑنے لگا۔ دو سرے وہ تھا بھی ذرا بے ضرر سا لڑکا۔ ہم
 سب کے مقابلے میں بے حد سیدھا اور احمق سا۔ رفتہ
 رفتہ دشمنی دوستی میں بدلنے لگی۔ سب سے بڑھ کر یہ
 کہ بڑی امی اور رابعہ آنٹی کی پر شفقت تربیت ذہن
 سدا رہنے کا کام دے رہی تھی۔

بڑی امی کا لب بھی وہی حال تھا۔ چار چار بیٹیوں کی
 ماں ہونے کا جرم انہیں دادو سے کبھی قریب نہ کر سکا۔
 دادو کے آخری دنوں میں انہوں نے جی جان سے ان کی
 خدمت کی مگر وہ مقام نہ پاسکیں جو رابعہ آنٹی کا تھا لیکن
 انہوں نے کبھی رابعہ آنٹی سے حسد محسوس نہ کیا نہ ان
 کی اہمیت پہ نہ ہی بیٹے کی ماں ہونے پہ، کیونکہ رابعہ
 آنٹی بذات خود اتنی اچھی تھیں کہ کوئی ان سے
 کم درجہ رکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ ان کی ستھری اور
 نکھری شخصیت کے سارے رنگ ان کی اولاد میں
 واضح تھے۔ عطا اللہ جو دادو کے اتنے بے جالاؤ سار کے
 باوجود بگڑنے نہ پایا تھا اور نہ ہی خاندان بھر کے اگھوتے

نکھڑی

لاڈلے سپوت ہونے کا غرور اسے تباہ کر پایا تھا اس کے بعد کشف جو میری ہم عمر تھی اور اب سائیکالوجی میں ماسٹر کر رہی تھی اس کی واحد دلچسپی تعلیم تھی۔ بے حد معصوم ذہنیت والی میری یہ کرن ہم سب میں سے کم عمر نظر آتی حالانکہ میں پانچ برس اس کی عمر کے تھے۔ اس سے چھوٹی کائنات فرسٹ ایئر فوٹ تھی، ویسے وہ فرسٹ ایئر میں چلانے سے پہلے بھی فوٹ ہی تھی اور آئندہ بھی ان تمام...

بڑی دلی کی شخصیت کا سب سے کم از کم بے لوث خدمت اور غلامی تھا۔ اپنی چار بیٹیوں کے ساتھ ساتھ انہوں نے ہم بھی من مال کی بچیوں کو بھی سنبھالا۔ وہ تشوید جس میں ہیں کہ ان ساتوں میں سے ان کی اپنی بیٹیاں ان ہی چیزیں ایک روایتی ماں کی طرح ان کے دل سے تھیں۔ بیٹی کی زندگی بگڑ رہی۔ سارے چار سال۔ کسی قزاق کے بغیر عطا پر پور۔ سب سے پہلی اپنی ہی تعلیم انہیں دینا۔ وہاں بیسیویں سال کا زمانہ بھی خاتم ہوئے سے پہلے ہوئے تھیں۔ انہوں نے ان سنت پھوٹی گل رخ جنہیں سب سے پہلی کہتے تھے وہ سارے پہلے یہ کہہ کر کینڈا اپنی میں لے جاتے تھے۔ پینڈا کینڈا کوسٹے ریور سے مل جاتی بات تھی۔ انہیں اور پہلی اپنی اپنی ضد پر قائم تھیں۔ وہ ڈاکٹر تھیں۔ جلدی ان بیٹیوں سے ہمیشگی اس کے تعلیم کو خراب کیا اور اپنی شادی اور جینیئر تیاروں میں اس کی خوشی ختم تھی۔

سب سے چھوٹی گل رخ جینیئر ریور میری دوست کا اس فیلو اور ہم مزاج تھی۔ میں چند ایک باتوں کے علاوہ ہماری سب سے عادی تھیں۔ پسند ناپسند ملتی جلتی تھیں۔ ہم دونوں ہی بی بی ایس سی کے پیچہ زدے کرفارم تھے۔

مجھ سے بڑی شاداب نے انگلش لٹریچر میں ماسٹرڈ کیا اور آج کل کچھ کمپیوٹر اور سز کر رہی تھی۔ شاداب نے ممی کی چند عادتیں خاصی حد تک اپنائی تھیں۔ اسے ہر کسی سے بلاوجہ بدگمان رہنے کی عادت تھی۔ وہ دواؤں زندہ تھیں تو ان کی ڈائنٹ ڈسٹ کو "اعت ملامت کو ہم بھی

ہنس کر کبھی منہ لٹکا کر سن لیتے اور پھر بھول بھال جاتے لیکن وہ گھنٹوں کڑھتی رہتی۔ بڑی امی کی عنایت بھی اسے نہ ہر گز تھیں۔ جب کوئی ان کی بے لوث قربانیوں کا ذکر کرتا کہ "شیریں نے تو دیو رانی کی پچیاں کلیجے سے لگا کر پالی ہیں تو وہ بے تحاشا چڑ جائی۔ کسی کا احسان قبول کرنا اس کی فطرت میں ہی نہ تھا۔

جبکہ سیماب مجھ جیسی تھی البتہ تعلیمی میدان میں وہ بالمشبہ مجھ سے آگے تھی۔ میں نے گریڈ بنانے کے چکر میں ایف ایس سی کے پیچہ زدہ پار دیے تھے جبکہ وہ اسکول میں ہی ایک سال میں دو دیو کا سز بھلا گئی اب ایم بی بی ایس کے فرسٹ ایئر میں تھی۔ تعلیمی میدان میں آگے ہونے کے باوجود اس کی دوستی میسرگ میں رہنے والی حمزہ اور فرسٹ ایئر فوٹ کیٹی سے تھی۔ جو کہ تینوں کی عمروں میں ایک آدھ سال کا فرق تھا۔ فیلڈ آئی کی دونوں بیٹیاں ان کی ہی طرح سنجیدہ مزاج مگر سادہ اور پر خلوص طبیعت کی تھیں۔ رحمہ امین سی اسے کی اسٹوڈنٹ تھی اور حمزہ اسکول کے آخری دن نمنا رہی تھی۔

اور چودھری عطا اللہ نعمت جو اپنے پورے نام پر نوازا گیا چیز جاتا تھا، نے ہم سب کی توقعات کے بالکل برعکس آرمی جوائن کر لیا۔ اس جیسے نازو نعم میں لے بھاؤ سے یہ امید نہیں تھی کہ وہ فوج کی سخت زندگی کے تکلیف دہ شب و روز برداشت کر لے گا۔ لیکن دلوں کی وفات نے اس کے معمولات پر خاصا اثر ڈالا تھا۔ ان کا پیار اور عطا کی ان سے انیت اپنی جگہ لیکن سچ تو یہ ہے کہ گود میں بٹھا بٹھا کر دلوں نے اس کی شخصیت کو پروان نہ چڑھنے دیا۔ اب یہ تو اس کی اپنی فطرت کی اچھائی تھی یا رابہ آئی کی تربیت کی تھی کہ موقع ملنے پر اس کی شخصیت کی تمام تر مضبوطی سامنے آگئی۔ آج کل وہ رسالہ پور میں تھا اور سارے گھر کو اس کی ویک اینڈ کی چھٹی کا انتظار رہتا۔ پچھلے دو ماہ سے وہ ایک دن کے لیے بھی گھر نہیں آیا تھا اور اب انہیں چھٹیاں ملے کر آ رہا تھا اس خبر نے گھر میں خوشی کی لہر دوڑا دی تھی۔

زیادہ آگے پیچھے پھوکی تو وہ بھی سمجھیں گی کہ تم سب اپنے اپنے نمبر بنانے میں مصروف ہو۔ ڈوب مرنے کا مقام ہو گا یہ۔" اس نے شرم دلائی تو کشف بھی متفق ہو گئی۔

"ہاں کستی تو تم بھی ٹھیک ہو۔"

"اور یار! رشتوں کی کمی انہیں ہو گی جو اپنے بیٹوں کو لیے گھر گھر پسند کروائی پھر رہی ہیں، ہمیں نہیں۔" شاداب نے اپنی لمبی دودھیا گردن اگرائی۔ اس ایک سال کے دوران اس کے تین پروپزل آچکے تھے۔ ایک تعلیم کی وجہ سے مسترد کر دیا گیا، دوسرا لڑکے کے عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے اور تیسرے پروپزل میں بڑے ابو کو لڑکے والوں کی جلدی مشکوک کر گئی۔

سب کو متفق ہوتے دیکھ کر بیلا پرجوش ہو گئی۔ "تو پھر کان کھول کر سن لو، سب لڑکیاں میری ہدایت پہ عمل کریں گی۔ سب سے پہلے تو خبردار جو کسی نے اس پورے مہینے میں بیوی پار کر کا رخ بھی کیا ہو تو۔" اس عجیب سی دھمکی پہ شاداب اور کشف دونوں کا موڈ خراب ہو گیا۔ دونوں ہی خود کو پورے گروپ میں سب سے خوب صورت سمجھتی تھیں۔

"ہاں۔۔۔ جیسے ہم بیوی پار کر کے ہی تو محتاج ہیں نا! تمہارا اتھوڑا ہو گا بیوی پار کر کا محتاج، میں تو تین سال منہ نہ بھی دھوؤں تو تم سے زیادہ میری جلد چمکے۔" ان دونوں کے بجائے گل بین عرف بیٹا چمک کے بولی تو سب کو اس کے تین سال منہ نہ دھونے والی بات پہ ہنسی آ گئی۔

"ویسے بھی دو دن بعد تو پہلا روزہ ہے، روزوں میں کہاں یہ سب ہو گا۔" رحمہ نے بلا مقصد بحث سمیٹی۔ "اور ہاں افطاری پہ صحاب تمہیں اور بیٹا کو زیادہ کار کردگی دکھانے کی ضرورت نہیں۔ تم دونوں سارا سال کچن میں بھٹے نہ جھانکو لیکن روزوں میں نت نئے پکوڑے، روٹز اور چاٹ بنانے کے تجربے ضرور کرتی ہو۔ اس سال خدا کے لیے اپنے سکھراپے کے ٹریڈر مت چلانا۔"

"صحاب کی تو چلو بات سمجھ میں آئی ہے۔ مجھ پہ

سوائے بیلا کے سب ہی پرجوش تھے وہ بگلی اب تک بچپن کی تخیلیاں دل سے لگائے بیٹھی تھی۔ دادو کا پوتوں کو حقیر بھرے اور نفرت انگیز طریقے سے پکارنا اسے بھولا نہیں۔ سب لڑکیوں میں اس نے اس بات کو زیادہ حساس انداز میں لیا اور غیر محسوس طریقے سے وہ رفتہ رفتہ اس بارے میں پچی پچی ہوتی چلی گئی۔ بڑی ہامی کا بیٹیوں کے بارے میں فکر مندی کا اظہار اسے دادو کے کلمات یا دادو لاؤ تھا۔ عطا کو ملنے والا یار اور توجہ اسے حسد میں مبتلا کر دیتا۔ وہ اکثر ہم سب کو عطا کے آگے پیچھے گھومنے پہ لٹاؤتی رہتی۔ تعویذ تینوں مکمل طور پہ اس کے لیکچرز کے اثر میں تھیں لیکن عطا کے معاملے میں وہ تینوں بھی اس کے ہاتھ نہیں آتیں۔ البتہ باقی باتیں وہ بیلا ہی کی مانتیں۔ بیلا کا بس چتا تو مجھ سمیت کشف رحمہ اور بیٹا کو بھی اپنی مرضی اور اصولوں پہ چلاتی۔ اب بھی شبنم چھپو کی آمد کی خبر پہ وہ تلمسلائی ہوئی پھر رہی تھی۔



"میں ایک بار پھر کے دے رہی ہوں، اس گھر میں کوئی افسانوی سچویشن نہیں دہرائی جائے گی۔" رات کو جب تیاریاں مکمل ہونے کے بعد ہم سب چائے پی کر تھکن آتار رہے تھے بیلا نے ایک بار پھر تنبیہ کی۔ "لو ابو! ایک تو تم اور تمہاری لیسٹیں۔" بیٹانے چائے کا براسا گھونٹ بھرا۔

"یار ایک بات تو بتاؤ اس گھر میں مزید کسی افسانوی سچویشن کی گنجائش ہے؟ پہلے ہی خاصا فلمی اور افسانوی ماحول ہے۔ ڈھیر ساری خوب صورت لڑکیاں، ایک سے ایک باکمال، تعلیم یافتہ اور سکھڑ۔ ایک طرح دار سی پھوپھو کی دو جوان گھرو بیٹیوں کے ساتھ آمد۔ وغیرہ وغیرہ، بیٹا بیٹا خاتونی برانڈ ٹاول ہے۔" میں نے ہنسی اڑائی۔

"سی لیے کہہ رہی ہوں کہ اب مزید پھندے ٹانگنے کی ضرورت نہیں۔ پھوپھو کہہ چکی ہیں کہ وہ یہاں بسویں ڈھونڈنے آرہی ہیں۔ اب اگر تم لوگ

پابندی کیسی؟ بھی میں تو انگریز ہوں۔" بیٹا نے ناز سے دائیں ہاتھ کو لہراتے ہوئے منگنی کی انگلی اٹھائی۔

"اس غلط فہمی میں مت رہنا۔ شبنم پھوپھو کے آنے سے پہلے ہی ابو چاہو وغیرہ جیسے غائبانہ شاعر رہے ہیں ان سے کوئی بعید نہیں کہ پھوپھو کو پسند آجائے کی صورت میں وہ تمہاری اس دوسالہ پرانی منگنی کو بھی خاطر میں نہ لائیں۔"

"ہائے! نہ نہیں۔" اس نے انگلی اٹھائی والد ہاتھ جمعیت سے پلوں میں پھینکا۔

"اور صاحب! مہرازم میں یہ انداز کا جلوہ مست بنانا۔ اس کے اس کے آواز میں سارے چوک کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ صاحب جانتے تھے مجھے بیٹھا کھانا بھی یہ نہ نہ اور دیکھا۔

"بالاں! یہ تو انسانی میں نہیں ہے پڑھنا یہ لڑکے اور ان کی مائیں ان کی شہر کی دو جلوے کھا کر لڑکیوں پر نہ ہوتے ہیں۔"

"صبح صبح جانے کی بھی ضرورت نہیں۔ یہ بد کسی مائیں صبح خیزی کی عادت ہے۔" بھی والدہ کہتی ہیں۔

"لیکن راتوں میں تو تم اور بیٹا کی نماز کے بعد دوبارہ سونے کا ہمارے گھر میں کوئی رواج نہیں۔" کشت نے نکتہ اٹھایا۔

"اچھا تو پھر کم از کم نماز کے بعد لان میں غسل غسل کر مویں کی کلیاں اٹھائی کرنے کی زحمت مت کرنا۔"

"مہرازم نے دیکھا ہے اس سے پہلے کبھی کسی کو یہ نامعقول حرکت کرتے ہوئے۔" دیکھتے مزاج کی رحمت بھی رنج ہو گئی اس کی فضول تاکیدوں سے۔ لیکن اس کے منہ کے بگڑتے زاویوں کو کسی خاطر میں نہ لاتے ہوئے اس نے اپنا ہدایت نامہ جاری رکھا۔

"اور ان کے بیٹے چاہے ہر رنگ روشن اور جن رام پال اور میل گبس کی پرستائشی کو ہی کیوں نہ مات دیتے ہوں سب نے اپنے اپنے دل قابو میں رکھنے ہیں۔" اب تو بات سب کی برواشت سے باہر ہو گئی۔

"تمہیں ہم سب اتنی دل پھینک نظر آتی ہیں۔"

شاداب نے اٹھا کے پاس پڑا میگزین اس کے سر پر دے مارا۔

"اب ایک نصیحت تم بھی میری کان کھول کے سن لو۔ کھنڈ بھرے تمہارے افسانوی پچویشن کی رٹ لگا رہی ہے۔ کیا تم نے افسانوں میں یہ بات نوٹ نہیں کی کہ صبح صبح جاگنگ کرتے ہوئے لان میں ٹکرانے والی جلوے برائے پکانا کے کھلانے والی پارلر سے ججن کے آنے والی اور چلی نظر میں دل ہار جانے والیاں منہ دیکھتی رہ جاتی ہیں اور ہیرو صاحب کو بعد ان کی والدہ کے وہ کوٹے میں دبی رہنے والی گمنام و شہرہ بھا جاتی ہے جو سر جھاڑ منہ پھاڑ رہنے کی عادی ہے جو کسی قارئین ریشم خورو شہزادے کو قطعی لفت نہیں کرائی اور انتہائی بد مزہ چائے پاتی ہے۔ اس لیے محترمہ گل بیلا بدایت! آپ بھی ذرا اپنی بے اعتنائیوں سمجھ ادا کیوں اور سب نیازوں کو انڈر کنٹرول کریں یہ نہ ہو آپ کی بھی ادا انفرادیت کی وجہ سے کسی کو لوٹ جائے۔" میں نے خبردار کیا اور بیلا واقعی اچھے سمجھدار بچوں کی طرح سر ہلانے لگی۔



اور اگلی صبح تڑکے تڑکے شبنم پھوپھو کی آمد بعد ان کے صاحبزادوں کے ہو ہی گئی۔ بڑے لڑکے ساتھ انہوں نے اپنے دائیں بائیں کھڑے لیے تڑکے گھبروؤں کا تعارف کرایا۔

"یہ صداقت ہے اور یہ شجاعت۔"

"آلی! یہ نام تو بہت سے ہوئے لگ رہے ہیں۔" حمنہ نے میرے کان میں سرگوشی کی اور یہ سرگوشی اتنی بلند تھی کہ مجھے فوراً اسے کہنی مار لی پڑی۔

"تم نے اپنی اردو کی بک میں پڑھے ہوں گے۔" فرسٹ ایئر فول کیٹی کے کانوں تک یہ تبصرہ با آسانی پہنچ گیا۔ "وہ ہے نال علامہ اقبال کا شعر۔ سبق پھر پڑھ صداقت کا شجاعت اور کسی اور کا بھی ہیں آلی وہ میرا کون تھا؟"

"میرا خیال ہے لیاقت تھا۔" حمنہ کو یاد آ گیا۔

"تو پھو پھو انہیں کیوں نہیں لائیں۔" کبھی
 ایک ایک کر آتھیں سے گلے ملتی پھو پھو کے عقب
 میں کسی لیاقت صاحب کو ڈھونڈنے لگی۔

میں نے اس کے نیل چہرے بالوں میں چست لگا کر
 خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ شجاعت صاحب دھڑکی سے
 میری حرکت نوٹ کرنے لگے تو میں جھل ہو گئی۔ ان
 دونوں چھوٹیوں کے مذاکرات انہوں نے نہیں سن نہ
 لیے ہوں۔ وہ کیا جانیں یہ دونوں اس وقت سنجیدگی
 سے کسی مسئلے کو ڈسکس کر رہی ہیں نہ کہ ان کے
 ناموں کا مذاق اڑا رہی ہیں۔ بڑے صاحبزادے
 صداقت علی شکا "مرزا جا" "لہراما" ہر لحاظ سے سنجیدہ
 ترین لگ رہے تھے۔ جبکہ شجاعت علی کے لبوں پہ
 مسلسل پھیلی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ مہ صوف کو
 خواہ مخواہ خوش اخلاقی لکھانے کا عارضہ تھا۔ کئی
 ہدایت کے زیر خوف ہم میں سے کسی نے اس
 مسکراہٹ کا جواب مسکرا کر دینے کی ہمت نہیں کی تھی
 کہ چنانے بھی نہیں۔

لیلیٰ آپنی سے مسلمانوں کی فوری ملاقات نہ ہو سکی
 کیونکہ ٹائٹ ڈیوٹی کی وجہ سے اس وقت وہ گھر پر نہیں
 تھیں اور جب ان کی آمد ہوئی، مسلمان ناشتے اور مسلسل
 سے فارغ ہو کر آرام کرنے جا چکے تھے۔ آپنی نے بھی
 شاور لینے کے بعد ناشتے اور دوسرے کھانے کو انکشاف
 نمٹایا اور نیند پوری کرنے کی غرض سے کمرہ بند کر لیا۔
 پھر کئی گھنٹوں تک بقول مینا کے آپنی اور مسلمانوں کے
 درمیان نیند کا بیج ہوتا رہا۔ آپنی کی ملاقات ان سے
 رات کے کھانے پر ہوئی۔ ڈائمنگ چیئر گھسیٹتی شبنم
 پھوپھو اندر داخل ہوتی لیلیٰ آپنی کو دیکھ کر جہاں کی تہاں
 رہ گئیں۔

"یہ۔ یہ گل ہے؟ گل لیلیٰ۔؟" انہوں نے
 آگے بڑھ کر انہیں گلے لگا لیا، آپنی اس بے ساختہ
 بذریعہ جھینپ گئیں۔ ان کے انار سے گل مزید
 دھننے لگے۔ متانت سے بیٹھے صداقت علی کی سنجیدہ
 اور خشک سی صورت یہ پہلی بار خوشگوار تاثرات پیدا
 ہوئے۔ مینا نے شوکار کر دیکھے اس طرف متوجہ کرنا

چاہا حالانکہ میں پہلے ہی نوٹ کر چکی تھی۔ میں نے
 آگے تک یہ رپورٹنگ پہنچانے کی غرض سے کمر
 اٹھایا۔ کشف اور رحمہ کو اشارہ کیا۔ کشف تو دیکھ
 کر مسکرا دی لیکن رحمہ ہونٹوں کی طرح گردن گھما
 گھما کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ میں نے بیلا کے کان
 میں سرگوشی کی۔

"آف یہ آپنی آج لگ بھی کتنی غضب کی رہی
 ہیں۔"

"یہ تم جملہ اتنا توڑ موڑ کے کیوں کہتی ہو۔ کہیں کا
 لفظ کہیں لگا کر ساری بات کو عجیب لہرا سا بنا رہی ہو۔"
 اس نے میری کراہٹ کی غلطیاں نکالیں تو میں
 شکایتاً ایک ناراض سی نظر ڈال کر پھر سے لیلیٰ آپنی کی
 طرف متوجہ ہو گئی جو سرسری سے تعارف کے بعد خود
 پہ پڑنے والی پراشتیاق نظروں سے بے نیاز پلیٹ میں
 چاول ڈھل رہی تھیں۔ لیلیٰ کا پلین بلیک سانہ سی تراش
 والا شہوار قبض تھا جس کی ڈھیلی ڈھالی آستینوں اور
 گلے پر میوہاں دھاگے کے ساتھ ہلکی سی کڑھالی تھی۔
 ابھی ابھی جاننے کی وجہ سے جلد چمک رہی تھی، بابائی
 آنکھوں کے غلامی پونے ملے ملے سوچے ہوئے تھے
 تازہ تازہ ہلا چہرہ سادگی میں بھی سب سے نمایاں تھا۔

بڑی امی کی بڑی تینوں بیٹیاں بالکل ننھیال یہ بڑی
 تھیں سوائے بیلا کے۔ گل بیلا نے بوٹا سا قد بھی چھٹی
 ہوئی خوابیدہ آنکھیں وارو سے لی تھیں اور بڑے پلایا کے
 جیسے سیاہ کھنگھریالے بال، دوھیال کی مخصوص گندی
 رنگت کے ساتھ وہ خاصی پرکشش نظر آتی لیکن بالی
 بہنوں سے قدرے مختلف تھی۔ گل رخ اور گل مین تو
 ہو ہو بڑی امی کی کالی تھیں، لمبے ترنگے سر پہ
 چوڑے چوڑے مضبوط ہاتھ چیر، سرخ و سفید رنگت
 بھورے بال اور کرنجی آنکھیں۔۔۔ رنے آپنی تو شادی
 کے اگلے سال ہی پھول پھول کر بڑی امی کے ساتھ کی ہو
 گئیں جبکہ مینا نے مسلسل ڈائمنگ اور ایکسر سائز کے
 ذریعے خود کو قابو میں رکھا ہوا تھا۔

لیلیٰ آپنی البتہ بڑی امی جیسی لگنے کے باوجود کسی
 نہیں لگتی تھیں۔ ان کے بال بھی بھورے تھے لیکن

گھٹے اور لمبے بے حد تھے، آنکھوں کی کرجھی رنگت میں
خیزی کم اور پادای نرمی زیادہ تھی اور سب سے بڑھ کر
نزاکت جو انہیں سب سے ممتاز کرتی تھی۔ یہ نزاکت
ہی ان کا خاصہ تھی جو ہر بات سے جھٹکتی تھی، لمبے
سروقتہ جسم کے۔ خلیے میں ہیں اس لیے لمبی موی
انگلیوں کی برف سی سفیدی میں آتی سرسبی ہوئی ہاتھوں
کے انھیں کرتے میں بھی نمایاں ہے، جب کے شافستہ
اتار چڑھاؤ میں بھی اور کچھ ان کے باقارتہ میں بھی
بھی۔

”کرنا کیا ہے؟ ای اور آئیوں کے نرمے ہیں۔
ای بہانے بہانے سے ان سے اگلو نے کی کوشش میں
ہیں کہ بیٹیوں کے لیے وہ کس قسم کی ہوشیاری تلاش کرنا
چاہتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔“

”تم بھلا کیا کر لو گی وہاں جا کر بڑی امی کے منہ پہ ہاتھ رکھ لو گی یا بچو بچو کے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لو گی۔“

”ہاتھ تو کہیں گی، بہر حال امی کو یوں دو سروں کے آگے مذاق نہیں بننے دوں گی۔“ وہ نہیں رکی اور مجھے تو اس کے ساتھ جانا ہی تھا، کم سن سوتیلیاں لینے کی شوقین جیٹا بھی پیچھے چل پڑی۔

”تیسریں بھائی! سسرال کا کیا پوچھتی ہیں۔ برادری خاصی بڑی سہی لیکن رفاقت کے بعد آپ تو جانتی ہیں کہ ان کے پھلے ہونے کا رویہ کی وجہ سے میں ساؤتھ افریقہ چھوڑ کر پاکستان نہ آ سکی اس لیے رشتے کے بھائی بہنوں سے اتنا میل ملاپ رہا نہیں اور نہ ہی اب نئے سرے سے قائم کرنے کی تمنا ہے اور جو سگے بہن بھائی ہیں رفاقت کے تو خیر ان سے تو خون کا رشتہ ہے میرے بچوں کا اسی لیے یہاں لے کر آئی ہوں لیکن نئے رشتے جوڑنے کا کوئی امکان نہیں۔ میرے سسرال میں لڑکیوں کو زیادہ بڑھانے لکھانے کا رولج نہیں دونوں سندوں کی ایک ایک بیٹی تھی سالوں پہلے بیاہ کر فارغ ہو چکیں اور رفاقت کے بڑے بھائی صاحب کے تو خیر جو ننگے کا ایک ہی بیٹا ہے۔“

”تم نے دیکھا صاحبِ آسمانی کی جگہ۔ اگلا۔ خدا اُفت
علی ولدِ رافقت علی ولدِ سیدہ اُمّیں لیا۔ بالمشہور چہ زار
عیں چوڑیوں کے اُٹال لکٹے دانے اونٹوں کی طرح
منہ اٹھائے آبی کو تازہ رہا تھا۔“ ویلانے موقع ملتے ہی
مجھ سے دل کا شمار لکھا۔

”بس۔ بس ایک ہی بیٹی بھی کوئی نہیں؟“ بڑی امی شگ و حسد کے طے جملے جذبات سے مغلوب ہو کر عجیب حسرت بھرے لہجے میں پوچھ بیٹھیں۔

”ہاں ایک ہی بیٹی ہے۔ پرویسر ہے۔ اس کی ماں تو خود کب سے ہو تھلاستی پھر رہی ہے۔ سو اس میں کوئی کیا تھا کہ وہاں ساؤتھ افریقہ میں کوئی ہو تو ہاؤس۔ اب بھلا ہوتی تو میں اتنی دور کیوں آتی۔“

”ہاں رشتے طے کرنا بھی ایک مسئلہ ہے، چاہے بیٹوں کا ہو چاہے بیٹیوں کا۔“

بڑی امی نے سر دھڑکایا۔ بھری۔ پٹلا کو بے چینی سی محسوس ہوئی اس سے پہلے کہ بڑی امی مزید کچھ کہہ کر اس کو اور ڈسٹریب کر تیں، سیما اور جمنہ کی خوشی سے بھرپور چیخوں نے سب کو بلا کر رکھ دیا۔ رابعہ آنٹی کے چہرے پر مسکراہٹ کھل گئی شاید ماں کو فضا میں ہی اٹنے والے کے آنے کی خبر ملے۔ بن کر مل گئی تھی۔

”وہ بھیا آگئے۔“

”خیر سے میرا شہزاد آگیا۔“ بڑی امی کے چہرے پر پھیلا مال اور حسرت بھی آنا۔ ”فانا“ غائب ہو گئی۔ پھر کتنی ہی دیر تک سب کی توجہ کا مرکز عطا ہی رہا۔ شبنم چھو پھو کے انہیں بھی اپنے منے کا یہ اکلوتا وارث بڑا بھایا تھا۔ بڑی امی کو ایک ہی فکر گھاسے جا رہی تھی کہ سبز یوں اور دالوں کو دیکھ کر غش کھانے والا ان کا چٹورا جھینجا میس کے کھانے کیسے زہر مارا کرنا ہو گا۔

”آئے ہائے اتنا سامنہ نکل آیا میرے چاند نکال۔“ اور اتنا سامنہ من کر میری تو نہی ہی چھوٹ گئی۔ مہا بچہ بن کر بیٹھے عطا نے مجھے حور کر دیا۔

”ہائے اللہ بڑی امی! ایسے تو مت کہیں، آپ کے لٹو پیڑے کے چہرے کے طول و عرض پہ کوئی چیز اثر انداز نہیں ہو سکتی۔“

”ہاں تو ٹھیک ہے، جو بھی کھاتا ہوں نظر تو آتا ہے تمہارے طرح نہیں کہ منہ چوہی اور ٹیڈ کھوئی۔“ (منہ چوہے جیسا اور پیٹ کنویں جیسا۔)

”واہ جی! واہ! ہمارے اونٹنے بونگے عطی کے تو بڑے پر پرزے نکل آئے رسا پور جاتے ہی۔ اب تو پٹر پٹر

جو اب دبے جا رہے ہیں اور وہ بھی حساب لی لی کو جسے سامنے پاتے ہی تمہاری گنگھی بندھ جایا کرتی تھی۔“

شواہب نے خواہ مخواہ کی برزگانہ شفقت دکھاتے ہوئے اس کے بکھرے بالوں پہ ہاتھ پھیر کر مزید نگاہیں ڈالیں۔

”ہاں جی اب تو موصوف مرد مجاہد ہیں اتنی ہمت تو پیدا ہو گئی ہو گی۔“ بیلا نے میگزین کی اوٹ سے جملہ پھینکا۔ عطا اللہ، میگزین کے سرورق پر دھری بسی بسی انگلیوں اور ذرا اوپر سے جھانکتی تھی گنگھی والی لٹوں کو دیکھ کر مسکرا کر رہ گیا۔

”دشمن۔ ابھی اتنی ہمت نہیں ہوئی۔“ وہ بڑبڑاتے ہوئے بظاہر کیشی کی گود میں کھلی ابہم کی طرف متوجہ ہو گیا۔

بعد میں رات کو لان میں واک کرتے ہوئے اس نے مجھ سے پوچھا۔

”کیا شبنم چھو پھو کے آنے کا مقصد وہی ہے جو میں سمجھ رہا ہوں۔“

”اب میں کیا جانوں تم کیا سمجھے بیٹھے ہو۔“ میں نے ذرا آگے بڑھتے ہوئے صداقت اور شجاعت کے خیال سے بہت آہستہ آواز میں کہا۔

”یہی کہ وہ پتھراؤ کرنے آئی ہیں۔“

”پتھراؤ؟“

”ہاں ایک آدھ بیری ہو تو آنگن میں کنگری آتی ہے اور جہاں سربوں کا جنگل کھڑا ہو وہاں تو پتھراؤ ہی ہو گا نا۔“

”ہاں، پہنچے تو تمہارے خیال کے گھوڑے بھی ٹھیک ہی جگہ ہیں۔“

”تمہاری یہ فضول عادت نہیں گئی۔ سیدھے سادے جملے کے الفاظ آگے پیچھے کر کے عجیب سیلی سا کر دیتی ہو۔ بات کا مطلب سمجھنے میں ہی کتنی دیر لگ جاتی ہے۔“ وہ نو کے بغیر نہ رہ سکا۔ ”سیدھی طرح کہو کہ تمہارے خیال کے گھوڑے ٹھیک جگہ پہنچے ہیں۔“

”بات سمجھ میں آگئی ہے نا؟۔ تو پھر اتنا گرم ہونے کی کیا ضرورت ہے اور کسی کو تو اعتراض نہیں ایک وہ بیلا

ہے اور ایک تم ہو۔ "میری بات کٹ کر وہ جلدی سے بولا۔

"ذرا پھر سے کوئی ایک دہائی اور ایک میں۔"

"کیا۔ کیا مطلب۔؟" میں کچھ بھی نہ سمجھی اور پیچھے سے سیمانٹا کا بازو کھینچ کر وہ سری طرف لے گئی وہ مجھے سمجھا بھی نہیں سکا۔

"صحاب! تم ٹھیک کرتی تھیں۔" رات کا فنی کے پالے کو انگلیوں سے چاتے ہوئے سانس لے رہا تھا۔

سریا کر رائے دی۔ آج سنا تھا کہ وہ ایک روایت پہلی انظار میں غائب ہو گیا تھا۔ وہ تمام سالوں کے خیال سے اس کی موت ہو گئی تھی۔ یہ ایک ایسا ہیرو تھا کہ نہ رہی تھی۔ اسے اتنی بات کہ اس نے اس کا اور چاہا تھا میں اسے یاد کرتا تھا۔

"تم بالکل سچ کہہ رہی تھیں۔ میں نے اسے لوگوں کو بدانتہی دے دیا۔" اس نے کہا۔

پس "نظر میں رہی تھی۔" میں نے کہا۔

صدافت صاحب بھی اس سے متعلق تھے۔ ان کے شاید انہیں ایک نظر پھر سے ملے۔ ان کے ساتھ بھی نہ جانتی ہوں گی کہ چھپنے کے ساتھ اس کے ان کے بچے تین ہیں یاد ان کے نام کیا ہیں اور اگر نام جانتی ہوں گی تو یہ پتہ نہ ہو گا کہ صدافت علی کون ہے اور شرافت علی کون۔

"شرافت نہیں شجاعت۔" کشف نے شہجائی۔

"وی وی۔" وہ بد مزہ ہوئی نوکے چائے پر۔ "ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ ان صدافت میاں نے بڑی غلط جگہ دل ٹھہرا لیا۔ لیکن آپنی تو وہ پتھر ہیں جنہیں اتنے سالوں سے اسی اور ابوا بچ برابر ہلا سکے تو یہ سات سمندر پار سے آنے والے پرہیزی کی بساط ہی کیا۔"

"پہلی بات تو یہ کہ تم یہ ثابت نہیں کر سکتیں کہ صدافت علی نے واقعی دل ٹھہرا لیا ہے یا پھر صرف نظر

جھالی ہے۔ میرا مطلب ہے یہ صرف پسندیدگی بھی تو ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے ان کی والدہ انہیں لکھا پڑھا کر ہی لائی ہوں گی۔ اسی نیت سے وہ ہر لڑکی کو جانتے ہوں گے۔ فی الوقت انہیں لیکن آپنی پسند آتی ہیں ہو سکتا ہے ان کی طرف سے انکار ہونے پر وہ نظروں کا رخ بدل کر کہیں اور فوکس کر لیں۔ یہ بات تو طے ہے کہ آپنی آپنی کو انکار ہی کرتا ہے۔" میں نے ماہرانہ تجزیہ پیش کیا۔

"ظاہر ہے وہ اپنا سادوں پر انارکارتو نہیں توڑیں

اور توڑنا بھی نہیں چاہیے۔ کوئی تو ہو اس سسٹم سے کہ اسے والا ایسے کو لیکن آپنی میرا آئیڈیل ہے۔ انہیں نے ثابت کر دیا ہے کہ اگر ارادہ مضبوط ہے تو ایک ہوتا ہے۔" چوہدری باؤس "جیسے روایتوں اور روایتوں میں ہلکتے۔" میں نے کہا۔

اس طرح اس شخص میں کوئی مسرت ہو رہی ہے تو کوئی اثر تک نہیں ظاہر ہو رہی صرف وہی ہیں جنہیں ان کے اپنے نام سے بھی دینا جانتی اور پہچانتی ہے۔ وہ اکثر کل لڑائی چوہدری کی نیم پائیٹ دوا ہو اور بڑے پاپا کے ناموں سے ذرا انگ ہی سہی مگر اس کو بھی کے باہر اور اس وقت۔

آں نے غصہ میں بنے آپنی کے اس کلینک کا دوا لیا تھا جس شرم کو وہ عورتوں اور بچوں کا مفت علاج کرتی تھیں۔

"لیکن اس سارے معاملے کا شادی سے کیا تعلق ہے؟" کشف نے کتہہ اٹھایا۔ "بہت سی ڈاکٹر انجینئر پروفیسر اور بیورو کریٹ لیڈرز میری ہیں۔ میرا نہیں خیال کہ شادی کسی بھی طرح کسی عورت کے کیریئر پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔ ہاں بس عورت میں اتنے ٹکس ہونے چاہئیں کہ وہ میری لائف اور پروفیشنل لائف کو بیلنس رکھ سکے۔ جو یہ نہیں کر پاتی وہ دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرتی ہے۔" کشف کی رائے سے میں بھی پوری طرح متفق تھی۔

"جب ایک مرد پوری طرح اپنی بیوی پہ حاوی ہو

راز کی طرح سننے میں چھپائی یہ حقیقت میں جوش بیاں میں عیاں کر چکی اور اب وہ دونوں مجھ سے پوری تفصیل سے بغیر تو میری جان نہیں چھوڑنے والی تھیں۔

”یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ نے ایف ایس سی میں پوزیشن لینے کے بعد ٹنگ ایڈورڈ میں ایڈمیشن لیا تھا۔ اسی وہ ایم بی لی ایس کے فرسٹ ایئر میں ہی تھیں کہ فاضل ایئر کے عمر رحمان سے ایک خوب صورت سے رشتے میں بندھ گئیں۔

بندہ شریف تھا اور ظاہر ہے کہ مخلص بھی اس لیے سیدھے بھاؤ اپنے ماں باپ کو جو دھری ہاؤس رشتہ دے کر بھیج دیا۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ وہاں کی وفات ہو جانے کے بعد دادو ان کے وضع کردہ اصولوں کے پارے میں پہلے سے بڑھ کر اٹل اور حساس ہو چکی تھیں۔ عمر رحمان سرائیکی بولنے والے ملتان کے گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ مجھے یاد نہیں کہ وہ کس ذات برادری سے تعلق رکھتا تھا لیکن دادو کے بقول اس ذات کے لوگوں کا قدیم پیشہ چارپالی بننا اور چھری چاقو تیز کرنا تھا۔ اب بھلے سے عمر رحمان کے باپ دادو رسیدار ہوں انہیں کیا۔ وہ تو چاقو چھری تیز کرنے والے اور گلی محلوں میں گھوم گھوم کر سبھی کو سالو کی صدا کہیں دینے کی شہرت رکھنے والے خاندان میں بیٹی دینے تیار نہ تھیں۔“

”لیکن دادو نے ان کی سات بہنیں کیے کھنگالیں؟“ کشف نے سوال کیا۔

”ارے یہ پرانے زمانے کے لوگ ایک ہی علم تو حاصل کرتے تھے دو سروں کے حسب نسب اور شجرہ کا حساب کتاب یا اور کھانا ان کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے۔“ بیلا جل کر بولی۔

”اور پھر ضروری نہیں کہ یہ سب سچ ہی ہو۔ کچھ باتیں یونہی مشہور ہو جاتی ہیں لیکن لوگ ان پر اندھا یقین کرنے لگتے ہیں۔ یہی حال دادو کا تھا وہ کہتی تھیں کہ شیخ برادری حد درجہ نجوس ہوتی ہے عورتوں پہ پیسہ خرچ کرنے کی روادار نہیں اس لیے وہاں بیٹی دینے

جاتا ہے اس کی ہر سہولت پر اثر انداز ہو جاتا ہے تو وہ بے چارہ عورت اپنی برو فیٹل لائف اور ڈریمز کو کیسے اس بے اثر سے بچا سکتی ہے۔“ وہ اپنے موقف پہ قوی ہوئی تھیں۔

”بات یہ ہے گل بیلا صاحبہ! کہ آپ کو ڈائی کئے ہوئے چھوٹے چھوٹے ہاؤس والی کالے ہوتوں میں دبے سکرٹ کے کش لگائے والی اور چھوٹے چھوٹے بلاؤزوں کے ساتھ باریک باریک ساڑھیاں پہننے والی سوشل ورکر لیلہ بڑی طرح ”پیاری عورت“ نے باری عورت کہنے کا مارا نہ لاحق ہو گیا ہے۔“

”بالکل غلط۔“ وہ میرے سچ کی تاب نہ لا سکی اور پھر کر پٹا اٹھی۔ ”میں عورت کے ساتھ نگہ اس دم چھنے“ بے چاری“ ہی کے تو خلاف ہوں یا تو اس کے نام کے آگے سڑکا ہو گا اور اگر نہ ہو تو از خود بے چاری کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ ایسے میں لیلی کی مثال ہمارے لیے قابل تقلید ہے انہوں نے نہ خود کو بے چاری کہلائے وہ نہ ہی سڑکا ہونے کا سہارا لیا۔ آج ان کا سوسائٹی میں مقام ہے اپنی ایک مکمل سے ایک محفوظ اسٹیٹس ہے۔ کہہ میں بھی انہیں ان کی اس شہرت حاصل ہے۔“

”ہاں لیکن۔۔۔ میں۔۔۔ حاصل میں خود۔۔۔ لڑائی ہیں اور یہ تو بڑی ہائی بڑے ہاؤس کے ہر رشتے۔ انکار کو آرام سے پی جاتے ہیں اور میں ہی ملی میں ان کی برہنہ عمر اور اس سے بھی بڑھتی ہے۔“ لیلی نے فکرمند ہونے کے باوجود ان سے زیادہ سچی کہنے سے سب بچھپاتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہرگز نہیں کہ وہ اپنی بیٹی کے قابل ڈاکٹر اور سرجن ہونے سے مرعوب ہیں۔ اس کی وجہ وہ احساس جرم اور پشیمانی ہے جو انہیں بیٹی کو بے آباد دیکھ کر ستاتا ہے۔ انہیں اس حد تک پتھر کرنے کے ذمہ

دار وہ خود ہیں ورنہ۔۔۔ ورنہ یہ وہی آتی ہیں ان کی آنکھوں میں بھی خواب کروٹیں بدلتے تھے ان کے لب بھی کسی کی صدا کے جواب میں کھل اٹھتے تھے۔“ ان دونوں کی بحث نے کچھ اس طرح طول کھینچتے ہوئے مجھے اپنی لپیٹ میں لیا کہ کئی سالوں سے کسی مقدس

کا مطلب ہے اسے قانون مارنا اور ایک ایک چیز کے لیے ترسانا۔ "میری بات کی تردید کشف نے فوراً کی۔ "مغیر یہ تو غلط ہے۔ میری دوست روشا نے کو تو جانتی ہوگی تم۔ وہ بھی شیخ محمد نے سے ہے۔ اللہ کیا بتاؤں کس حد تک فضول خرچ ہے ساری فیملی۔ خود یہ تو انھوں خرچ کرتے ہی ہیں صدقہ خیرات یہ بھی کروڑوں وقف کر رکھا ہے۔ پچیسے سال کی لڑکی میں اس کے ہتھیوں کے منسے پر ایک ایک عورت کی نئی کلو سونا لٹاوتے ہوئے تھی۔ دس تو شیشے تھیں۔ نہیں اور ایمان سے کیا شاندار فکس تھیں۔ اس لٹاوتے تو ہم سمجھیں ہو سکتے کسی کی برقی ڈیسے۔ یہی ایک پانڈا کا کیک تک نہیں کٹا۔"

"وہی تو میں کہہ رہی ہوں کہ بات میں حقیقت ہو یا نہ ہو اگر شہرت ہو جائے تو سب کی ہمتیں اٹھ جاتی ہیں۔ اسی طرح دادو نے وہ وقف یہ کرتے تو علم نہیں کہ بے شک عمر زمان کی فیملی شاندار میں رہتی ہے۔ بے شک اس کی بیکس بھی تھیں۔ پچیسے سال کی سب سے اس کے دادو نے زمینداروں کی تھیں۔ اس کے دادو نے الیکٹرونکس کا بزنس شروع کیا۔ وہ سب سے پہلے ملتان سے تو پھر ملتان کے کچھ ادارہ کو پچھو پچھو رہے اور بیڑیاں اٹھواتے ہوں۔ اور انھوں نے اس کی ماں سرائیکی بولتی ہے تو ضرور زبان اور ہتھ پختہ۔ ان کی ہر کی اس لیے وہاں ہرگز ہرگز اپنی پوتی نہیں دیتی۔"

"کمال ہے بیٹوں کے لیے تو ایسے سخت اصول نہیں تھے۔ بڑی ہوا انھوں نے 'دوسری فراموشی' پھولی والی اردو اسپیکنگ فیملی سے۔ یاد تازہ ہے ابھی دادو جب پنجابی بولنے کے لیے ترس جایا کرتی تھیں تو یہ کہہ کر دل کی بھڑاس نکالتیں کہ قسمت نے بھی کیا بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والی ہوں اس کے سر منڈھ دی ہیں کسی کے مذکر مونث کی سمجھ نہیں آتی تو کسی کی فرمائے بھرتی رواں اور ششہ اردو سر سے گزر جاتی ہے۔"

"میری تو دہرے معیار ہیں ہماری سوسائٹی کے گھر میں آنے والیوں سے ایڈجسٹمنٹ کی توقع رکھی جاتی

ہے لیکن اپنی بیٹیوں کو کسی بھی متوقع پریشانی سے بچانے کے لیے ہمارے بزرگ شدید جذباتی سوچ رکھتے ہیں۔"

"چاہے بیٹی اسے فیس کرنے پر دل و جان سے تیار ہی کیوں نہ ہو۔" پیلا نے گفتگو کا رخ پھر سے آلی کی طرف موڑا۔ "ویسے یار دادو کو پتہ چل گیا تھا کہ آپ کی پسند بھی اس میں شامل ہے؟"

"ہاں اور اصل حیثیت ہی تب شروع ہوئی۔ عمر زمان کی والدہ کو صاف انکار ہونے کے بعد آپ نے ہی رہنے آپ کے ذریعے بڑی امی تک بات پہنچائی۔ دادو کو علم ہوا تو پیسے طوفان آگیا۔ اسی دن وہ خاتون دوبارہ رشتے لیے چلی آئیں اور اس دن دادو نے غیض و غضب میں گھر آئے ممان کا لحاظ تک نہ کیا۔" میں نے تباہی تو کشف چپ نہ رہ سکی۔

"ایک بات تو جتنا کہ تمہیں اتنی تفصیلات کا علم کیسے ہے؟ اگر تمہاری جگہ بیٹا یہ سب بیان کر رہی ہو تو اتنا قسم کھاتی ہوئی ہے اسے شروع ہی سے کنا ہو گیا۔ بیٹے کی عادت ہے۔ تم نے اتنے ڈھکے چھپے حقائق کی تفصیلات کہاں سے جرائیں۔ ہم نے تو اتنے سناؤں سے کبھی ہلکا سا تذکرہ بھی نہیں سنا۔"

"میں اتفاق کی بات ہے۔ یاد ہے جب تم 'کیشی اور عطا' اپنی کے ساتھ بیڑیاں گئے تھے اپنے گریڈ پا سے ملے اور پیلا بیٹا دادو لوں اپنے ماموں کے پاس ڈیرہ اسمبلی خان گئی ہوئی تھیں۔ گرمیوں کی طویل لمبی دوسریں تھیں اور تعطیلات میں اکیلے رہنے کی بوریٹ میں انٹر رہنے آلی کے کمرے میں گھس جاتی اور ان کے ڈائجسٹ چانا کرتی وہ اندر آتیں تو جلدی سے سوئی بن جاتی کیونکہ انھیں بچیوں کا افسانہ ناول پڑھنا پسند نہیں تھا ایسی ہی ایک دوسریں میں دیوار کی طرف کروٹ لیے ایک رومانٹک سا افسانہ پڑھ رہی تھی کہ دروازے پر آہٹ ہونے پر جلدی سے رسالے والا ہاتھ نیچے کر کے پلنگ کے نیچے چھپا لیا اور آنکھیں میچ لیں۔ رہنے آلی روتی ہوئی لپٹی آپ کی گھسیٹ کر اندر لا رہی تھیں۔ کھلے دروازے سے زور زور سے بولتی دادو

کو نوچا گیا ہے جس گندے طریقے سے میری محبت کو بدنام کیا گیا ہے اور جس ظالمانہ طریقے سے ایک شریف انسان کی بے عزتی کی گئی ہے جس طرح میری ماں کی تربیت کو گالیاں دی گئی ہیں اور میری تعلیم پر چار حرف بھیجے گئے ہیں وہ میں بھی نہیں بھول سکتی۔
”بھول جاؤ لیلا! یہی بہتر ہے تم اور کر بھی کیا سکتی ہو۔“

”کرنے کو تو بہت کچھ کر سکتی ہوں اور کچھ نہیں تو دادو کے بے بنیاد گندے الزامات کو سچ بھی ثابت کر کے دکھا سکتی ہوں لیکن میں ایسا کروں گی نہیں۔ نہ تو ان کے کہنے سے میری ماں کی تربیت کے رنگ ہلکے پڑ سکتے ہیں اور نہ ہی عمر رحمان کوئی ایسا سچ انسان ہے جو بے عزتی کے بدلے بے عزتی کرے۔ میں کچھ نہیں کروں گی صرف ابو اور امی کو زندگی میں کبھی نہ کبھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور کروں گی کہ وہ غلط ہیں انہوں نے میرے ساتھ غلط کیا۔ میں اور کچھ نہیں تو انہیں یہ احساس ضرور دلاؤں گی کہ خاندان اور بزرگوں سے عقیدت اپنی جگہ لیکن ان کی اولاد کا بھی ان کی زندگیوں کو کوئی نہ کوئی حق ضرور ہوتا ہے۔ اولاد کے دل کا خون گر کے ماں کے قدموں میں رکھنے کا شرف حاصل کرنا جنت کا شارٹ کٹ رستہ نہیں ہے۔“

میں نے سالوں پہلے اپنے دل و دماغ میں نقش ہونے والے گل لہلہائی آئی گئے پر عزم جملے من و عن دہرا دیے۔ اپنی کم عمری کے باوجود ان کے دل کی تمام حسرتیں میں نے شدت سے محسوس کی تھیں۔ اس وقت میں جس کیفیت سے گزری اس وقت کشف اور بیلا بھی اسی احساس کے زیر اثر تھیں لیکن بیلا شاید کچھ اور بھی سوچ رہی تھی۔ شاید اسے اپنے آئینہ دل کے ٹوٹنے کا ملال تھا۔

”اتنے سال ہو گئے پر خوردار تمہیں شیونہ کرنا آئی۔“ چاچو کی آواز پر نیز تیز قدموں سے سیڑھیاں پھلانگ کر نیچے اترے عطا وھیلا پڑ گیا۔

کی غضب ناک آوازیں آئیں۔ کسی نے زور سے دروازہ بند کیا تو یہ شور تھا۔
”باگل ہوئی ہو لیلا! اس وقت دادو کے آگے کھڑا ہونا آپ اپنی شرافت بلوانے کے مترادف ہے۔“
رستے آئی کی آواز آئی۔ جواب میں آئی کی سسکیوں بھری فریاد۔

”لیکن رستہ زور اور کچھ تو دادو کیا کچھ کہہ رہی ہیں عمر کی امی کو۔ اتنے تیز لیل بھرے القابات اور اتنی بے عزتی۔ اب۔ کوئی انہیں روکنا کیوں نہیں۔“
”کون روک سکتا ہے امی وہ بڑا تو خود لپیٹ میں آئی ہوئی ہیں صبح سے مشواڑا انہیں بیٹیاں پیدا کرنے اور پھر ان کی غلط تربیت کرنے کے طعنے مل رہے ہیں۔ رستہ ابو تو ویسے تھے نہیں جیسے وہ ان کی وفات کے بعد دادو نے انہیں بنوایا ہے یہ کہہ کہہ کر کہ اب دادو کے بعد وہی چودھری جوس کی دولتوں اور روایوں کے امین ہیں۔ وہ بھی ان کی محبت میں مل سے نافرمانی کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے۔ ہاں بڑے بابا یا چاچو ہوتے تو شاید کچھ بات بنتی۔“

”بے شک انہی ترکہ داروں میں میں بھی ہوں۔ عمر یہ اور ہمارے مفلس سے محسوس جذبہ یہ اتنے گھناؤنے الزام تو نہ لگائیں۔ اس شریف عورت کی سات نسلوں کے پرچے تو نہ اڑائیں جو ایک ہار صاف انکار کے باوجود صرف بیٹے کی خوشی کو مد نظر رکھتے ہوئے دوبارہ یہاں ذلیل ہونے چلی آئی ہے۔“

”فکر مت کرو وہ جا چکی ہیں دادو تو بو نمی لب کئی گھنٹے بولتی رہیں گی۔ کاش راجہ آئی ہو تمیں یا پھر بڑے بابا تو اتنی بد مزگی پیدا نہ ہوئی۔ بات سلیقے سے بھی تو ختم کی جاسکتی تھی۔ خیر جو ہونا تھا سو ہو گیا۔“

”بہت برا ہوا ہے بہت برا۔ اتنا برا کہ تم میں سے کوئی اندازہ بھی نہیں لگا سکتا۔ معاملے کی سنگینی کا اندازہ امی ابو اور دادو کو رفتہ رفتہ ہو گا۔ ان لوگوں نے مجھ سے میری خوشی مانگ لی ہوتی تو میں ماں باپ کی مرضی پر خود کو قربان کر دیتی۔ خوشی خوشی اپنی آنکھوں کے پہلے خواب کو توڑ دیتی لیکن جس بے وردی سے اس خواب

”وہ۔ چاہو۔ یہ تو بس۔“ وہ دونوں سے چور چور
چرو سلا کر رہ گیا۔

”صدقت اور شجاعت کو لاہور تو گھسا پھر لالا۔ یوں
تو میں بھی فارغ ہوں لیکن تمہاری کمپنی میں یہ دونوں
زیادہ اچھا مل کر سگے۔“

”چلیں چاہو! آپ نے یہ تسلیم کر لیا کہ آپ بزرگ
ہو چکے ہیں۔“

”ایسی بات بھی نہیں، اب کیا کیا جاسکتا ہے دو
قسمت نے تم جیسے یوں جہاں لڑائی کا ماما چاہا بنا دیا
جہ میں اسی لیے تو تم لوگوں کے ساتھ باہر گئے۔ سے
پر نیز کرتا ہوں، میری انجینیئرنگ میں یہ سائنسی نتائج خراب
کر دیتے ہو چاہو! پوچھو کہہ کر اور اب یہ ہاتھوں نے
واپس کا اضافہ بھی ہو گیا ہے۔“ وہ غصے سے کہہ کر
صدقت اور شجاعت کو عطا اللہ کے ساتھ ٹوٹنے کے
لیے نکلنے کی تائید کرتے ہوئے اپنے سر سے ہاتھ دھو
گئے۔

”چنانچہ اسی زمانے میں کہ صدقت اور شجاعت
تھیں ہی رخصت ہوئے۔“

”مہمیں تو لاہور میں رہے، لاہور تو وہاں رہا۔
ہم اس جگہ کا سنا ہے کہ لاہور میں رہے۔“

”ہاں مگر بہت خوب صورت اور عمدہ تھا۔ لاہور میں
میری رہائش اتنی نصیب ہے کہ اس کی یاد دلاؤں۔“

”یہ پیدا نہیں ہو ماباں چھ دیوانہ دیوانہ ہوئی ہیں
آپ مگر نہ کہ وہ خود ہی ہر وقت سر پہ سلاہ رہتی
ہیں۔“

”واٹ؟“ شجاعت اتنی جگہ تک غلطی سے رہے گفتگو
کا عادی کیسے ہو سکتا تھا۔

”میرا مطلب ہے وہاں رہ کر تو زیادہ احساس نہیں
ہوتا لیکن وہ چٹیاں ابھی گھر گزارا ہوں تو انکا سارا دن
رہا پور میں بڑا بے مزہ گزارتا ہے۔ ہواؤں میں نسوار
کی بورچی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ہر چیز سلو موشن میں
حرکت کرتی نظر آتی ہے۔ لاہور سے بچ کر رہنا یہ بڑی
جلدی اپنا عادی بنالیتا ہے۔“ اس نے وارننگ دی اور
پھر اچانک میری طرف مڑا۔ میں قریب ہی ڈانٹ

نہیل کی صفائی کر رہی تھی۔

”مہمیں کیا روزہ بست لگ رہا ہے۔ بڑی چپ چپ
ہو۔“

”ویسے ہی۔ بس خیر آ رہی ہے۔“ میں نے ٹالا۔
”آپ لوگ سحری پہ اتنا اہتمام کرتے ہیں ضرور کئی
گھنٹے پہلے جاگ کر تیاری شروع کرتی ہوں گی۔ پلیز
آپ اتنا تکلف مت لیجئے بہت شرمندگی ہوتی ہے
آپ کو بے آرام دیکھ کر۔“ صدقت علی جو خاموشی
سے سی این این پر نیوز دیکھ رہے تھے، سنجیدگی سے
کہنے لگے۔

”ہی ہاں بھائی! ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ آپ یقین
نہیں کر رہے ہیں، ہم وہاں بریڈ، جیم اور چیز کے ساتھ کھا کر بھی
روزہ رکھ لیتے ہیں۔“

”لیکن یہ پاکستان ہے میرے بھائی! یہاں عید تو
عید، سحری بھی مثالی جاتی ہے۔ انٹاری کو بھی
بہت کیا جاتا ہے۔“ عطا نے کہا۔

”جی۔ یہ بالکل درست ہے ہم لوگ واقعی روزوں
کو اہتمام سے رکھتے ہیں نہ کہ سر سے بوتھ کی طرح
اُتارتے ہیں اور مسمان نوازی میں جو لطف ہے اس
سے تو آپ ہمیں محروم کرنے کی بالکل بھی کوشش
مت کیجئے۔“

”صدقت! نے اندر آتے ہوئے کہا اور میری
مشکل آسان کی۔ مجھے خبر ہی نہیں آ رہا تھا کہ گفتگو کا
پرچہ ویسے مونوں میری ڈسٹرکشن کی وجہ سے اپنی
تھیں۔“ صحیح معمول کے مطابق ان سے سامنا ہوا۔ ان
کا راز یوں افشا کر دینے پہ میں دل ہی دل میں ان سے
شرمندہ تھی اور نظر نہیں ملا پارہی تھی حالانکہ وہ تو یہ
بھی نہ جانتی تھیں کہ ان کے ماضی کے اس راز سے ہم
چھوٹوں میں بھی کوئی واقف ہے۔ پھر بھی اندر ہی اندر
میں خاصی شرمندگی محسوس کر رہی تھی کہ یونہی بات
سے بات نکلنے میں میں کیا کچھ کھول گئی۔

”کچھ ہی دیر بعد میری توجہ ہٹ گئی اور اس کی وجہ گھر
میں ہونے والی وہ میٹنگ تھی جس میں تقریباً تمام ہی
بڑے شریک تھے۔ جیسے ہی عطا ان دونوں کو لے کر

تو شک ہے نکلا لیلی آتی باہر شل سدھاریں کیٹی میسا
اور حنہ اسکول اور کلج شاداب اور کشف دونوں
ایک دوسرے کی تیاری کر رہے تھے کہ کر رہی تھیں جبکہ میں نے
اور ملا نے شوق پھیلی ماری بھی صرف رحمہ بھی جو
کا رہنے لگی تھی۔ ایک میں جنس کی ماری دینا آ
کر ماری سونے کی تیاری پائی بھی رہا۔

"بنا ہے کیا ہو؟" اس نے کہا اور پھر یہ جانتے
ہوئے کہ ہم میں سے کوئی بھی یہ نہیں پوچھے گا کہ "کیا
ہو؟" "نودی بول رہی۔"

"شبنم پھو جو نے صد ات علی کے لیے کل لیلی
آلی کا ہاتھ پکڑا۔"

"وہ تو صاف ٹک رہا تھا کل باپ سوں ایسا تو ہونا ہی
تھا۔" میں نے ماری رو کی۔

"لیکن اب تو اس نے وہاں سے فوراً انکار کر دیا۔"

"وہ بھی صاف ٹک رہا ہے تو کہہ رہا ہے کہ وہاں سے
نچا ہے۔" میں نے لیلی کے ساتھ ساتھ ہی اسے خود
کہا۔

"ایک منٹ۔ ایک منٹ۔" وہ خیال آنے پر
میں نے لیلی کی بات سننے سے انکار کر دیا۔ "یہ فوراً انکار
میری سمجھ میں نہیں آیا۔ اس سے پہلے ہر قابل ذکر
رشتے پر بڑے ابو اور بڑی مائی کی کہ قابل کرنے اور
منانے کی ایک کوشش ضرور کرتے تھے چاہے ناکام ہی
ہوں۔ پھر آخر شبنم پھو کے رشتے میں ایسی کیا قابل
اعتراض بات ہے جو فوراً انکار ہو گیا۔"

"لیکن تو۔ اب بھلا پوچھو کیوں؟" وہ ہم سب کا
منہ ٹکٹے لگی "جبکہ دل ہی دل میں وجہ جاننے کے لیے
بے تاب ہوتے ہوئے بھی ہم نے پوچھنے سے پرہیز
کیا۔ اس سے زیادہ انتظار نہ ہوا خود ہی بتائے گی۔"

"دراصل پھو پھو کا انداز بہت عجیب سا تھا۔ زبان
سے تو نہیں کہہ رہی تھیں کہ ان کی مرضی نہیں ہے
لیکن بار بار جتنا ضرور رہی تھیں کہ یہ صداقت کا اپنا
فیصلہ ہے اور یہ کہ گل لیلی اپنی بیٹی ہے اور انہیں بے
حد عزت بھی پھر کیا ہوا اگر صداقت سے تین چار سال
بڑی ہے تو وہ وغیرہ وغیرہ۔ یعنی انہیں آلی اور اپنے بیٹے

کے درمیان موجود عمر کے فرق پر اعتراض ہے جو چار
سال کا ہرگز نہیں محض ڈیڑھ دو سال کا ہے جسے وہ
خواجوا کہا سمجھ رہی تھیں۔ ابو نے ان کی بے دلی
بھانپتے ہوئے صاف انکار کر دیا اور انکار کے بعد جو ان
کے چہرے پر اطمینان آیا "اس سے صاف ظاہر ہو گیا ہے
صرف بیٹے کے کہنے پر مجبور ہوئی تھیں۔"

"چلو جس کم جہاں پاک۔" بیلا نے ہاتھ جھاڑنے
اور پھر سے تکیے پر سر رکھ لیا۔ "اب تو ابو اور چاچو کو اپنی
بسن کی اصلیت کا پتہ چل گیا۔"

"ابھی کہاں۔" بیلا نے بھنوس اچکا کر۔ "ابو اور

پدے پلا کے خیال میں پھو پھو کھیک ہی سوچ رہی
تھیں "عمر کا زرا سا فرق بھی کچھ عرصے بعد خاصا نمایاں
ہونے لگتا ہے۔ کسی نے اس بات کو ذرا بھی مانتا نہیں
کیا۔ اسی لیے تو پھو پھو کی ہمت اتنی بڑھی کہ۔ انہوں
نے فوراً "ہی۔۔۔ بھلا بتاؤ۔ انہوں نے کیا کیا؟" اس نے
جنس کی لہر دوڑانے کی ناکام سی کوشش کی۔

"ہم کیا بتائیں پر دے کے پیچھے تم جیسی کھڑی
تھیں نہ کہ ہم۔" بیلا نے چڑ کر کہا۔

"چل۔۔۔ چل کب میں پردے کے پیچھے چھپی تھی
میں تو ان میں کھلنے والی کھڑکی کے پیچھے۔ اچھا اب
پوچھو بھی کہ کیا ہوا؟"

"اگر ہم نہ پوچھیں گے تو کیا آپ نہیں بتائیں گی
بیلا ڈیرا۔" شاداب نے اطمینان سے مسکراتے ہوئے
پوچھا۔ بارمان کے وہ بتانے لگی۔

"شبنم پھو پھو نے انکار کے بعد صداقت کا رشتہ
ایک اور بھانجی کے لیے ڈال دیا ہے۔" اب کے اس
نے واقعی کھلبلی مچادی۔ شاداب کشف دونوں منہ جھل
کر بیٹھ گئیں۔

"تو گویا انہوں نے باز ہرگز نہیں آتا۔ چودھری
ہاؤس ہی سے کچھ نہ کچھ لے کر جاتا ہے۔" بیلا تھملا کر
بولی۔

"تو یہ تو ان کی محبت ہے کہ اتنی بڑے کاروبار
جائیداد اور لائق فائق بیٹوں کے ہوتے ہوئے وہ
بھائیوں کا بوجھ بٹکا کر رہی ہیں انہیں ایک سے ایک

شاداب

اچھا رشتہ مل سکتا ہے لیکن انہوں نے اپنوں کو ترجیح دی۔ ”میںنا خاصی متاثر تھی۔“
”تم تو سدا خود ترسی کا شکار رہی ہو۔“ اسے چھوٹی بہن کی طرف سے طعنے ملا۔

”بہو نہیں اب تو تم سب پوچھو گی بھی تو میں ہرگز نہیں بتاؤں گی کہ اب مشنم پھوپھو نے کس کا نام لیا ہے۔ ہاتھ پیر جو ٹوگی تو تب سوچا جائے گا۔“ وہ اٹھ گئی۔

”ارے جاؤ منہ دھو رکھو ہاتھ پیر جو ڈیس گے ہم؟“ شاداب نے پیچھے سے آواز لگائی۔ ”ایسے ہی ترے پیچھے ہیں نام جاننے کے لیے۔“

”اور اگر جاننا ہی ہو گا تو پردے کے پیچھے چھپنا کھڑکی کی اوٹ سے سننا ہمیں بھی آتا ہے لیکن ہم اپنی یہ صلاحیتیں صرف وقت پرانے پر استعمال کرتے ہیں۔“ میں نے بھی لہو لگایا اور اسی وقت سے شاداب نے میری ڈیوٹی لگا دی گھر میں ہونے والی تمام تر آواز ترین کارروائیوں کی رپورٹ لانے کی۔

اور سوئے اتفاق کہ جب سے میں نے برزگانہ میٹنگز کی خیر خبر رکھنا شروع کی تب سے ہی ایک بعد دیگرے گھر میں اتنی تیزی سے نئے واقعات رونما ہونے لگے کہ میں خود حیران رہ گئی روز ایک نئی خبر اور انکشاف لیے میں ان چاروں کے ردیروں پہلی۔

الگے دن میں نے بڑی امی کو فیسدا آنٹی کے ساتھ سر جوڑے فکر مندی سے کچھ مشورہ کرتے دیکھا تو شملتے ہوئے نا محسوس طریقے سے ان کے پیچھے لگے فش ایکو ریم کے پاس چلی گئی اور اس میں فش فوڈ ڈال لیتے ہوئے کان ان کی سمت لگا لیے۔ میں جاننا چاہتی تھی کہ اب صداقت علی صاحب کی سنجیدگی کی بھینٹ کس کو چڑھایا جا رہا ہے۔ لیکن اس وقت موضوع گفتگو ہی اور تھا۔ بڑی امی نے آنٹی کی ان کی سسرال سے ناچاقی کے تذکرے بیان کر رہی تھیں۔

”وہ تو شکر ہے صفدر! ماں بہنوں کی الٹی سیدھی بچیوں میں نہیں آتا اور نہ رہنے جاتی ہے ان کا تو بس نہیں چٹنا بیٹے کو بیوی کے پاس ایک منٹ نہ بیٹھنے

دیں۔“
”نجانے کچھ عورتیں اتنی تسلط پسند کیوں ہوتی ہیں۔ ساری عمر وہ یہ حقیقت تسلیم کرنے سے گھبراتی ہیں کہ ان کا بیٹا کسی کا شوہر ہونے کے ناتے کچھ اور فرائض بھی رکھتا ہے۔“ آنٹی نے افسوس سے سر ہلایا۔ ”لیکن رہنے نے یہ تو بتایا ہو گا کہ اس مسئلے کا حل کیا نکلا؟“

”میں نے بتایا تو ہے کہ صفدر سمجھ دار لڑکا ہے۔ گھر میں ہونے والی روز روز کی تلخیوں سے تنگ آکر اس نے الگ ہونے کا فیصلہ کیا ہے بلکہ رہنے بتا رہی تھی کہ صفدر کا ارادہ پاکستان سننا ہونے کا ہے۔“

”پھر تو ٹھیک ہے۔ آپ کیوں اتنی فکر مند ہیں؟“
”ارے فکر کیسے نہ کروں۔ اگر رہنے کو سسرال میں رہ کر سب اچھی بری سنے کا مشورہ دوں تو یہ اس کے ساتھ ظلم ہو گا۔ پردیس میں ویسے ہی لڑکی اگلی ہو جاتی ہے اوپر سے ایسی فتنہ ساس خندیں۔ اور اگر اس کا انگ گھر بسانے کا سوچتی ہوں تو گل بین کی فکر لگ جاتی ہے اس کا رشتہ بھی تو اسی گھر میں طے ہے۔ ماں بیٹے کے رشتے کا کیا ہے بیٹا الگ گھر بسا بھی لے تو ماں بار اٹھی کے باوجود اس سے تعلق تو نہیں توڑے گی لیکن بسو سے ساری عمر دل صاف نہیں رکھے گی خواہ مخواہ کا پیر باندھ لے گی۔ سب سے پہلے تو یہ رشتہ توڑے گا۔“

”یہ تو صاف ظاہر ہے۔“ فیسدا آنٹی نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ”لیکن بھائی! ایک لحاظ سے بیٹا کے لیے اچھا ہی ہے۔ جب رہنے جیسی سمجھ دار اور معاملہ فہم لڑکی ایسی سسرال کو ہینڈل نہ کر سکی تو بیٹا تو پھر نا سمجھ ہے اور مزاجا“ تیز بھی۔ اس کا گزارہ بھی مشکل سے ہی ہو گا اور یہ ضروری تو نہیں کہ صفدر کی طرح محمود بھی انصاف پسند شوہر ثابت ہو۔ ہو سکتا ہے اس میں اللہ کی کوئی مصلحت ہو۔“

”ہاں۔ بس اللہ کی مرضی کہہ کر دل کو تسلی دے لیتی ہوں۔ تمہارے بھائی صاحب بھی بالکل وہی کہتے ہیں جو تم کہہ رہی ہو لیکن یہ بھی تو کھو رشتہ ملنا کتنا

مشکل ہے، ٹوٹا تو آسان ہے۔ لیکن ہے تو ہاں باپ سے
 ضد باندھے، اس کا غم کم نہیں کہ اب گل بین کی
 طرف سے جو اطمینان تھا وہ بھی غارت ہو گیا کھائی دے
 رہا ہے۔ لوگوں کی بیٹیاں خاندان میں ہی کھپ جاتی
 ہیں۔ ہمارے تو دیکھو لڑکیاں ہی لڑکیاں۔ اماں کی بیٹی
 نکستی نہیں بکریوں کا رعب اب اس لمحہ میں۔ دو سال
 منگنی رہی سارے شو کویت ہے۔ بات ختم ہو جانے
 کے بعد، شہناز اور بھی مشکل ہو جائے گی۔
 ہی، سندھ بند ہو گیا۔ یہاں تو اس کا ہوا۔ بھائی
 صاحب نے تو کہہ دیا ہے کہ وہ گل بین کی طرف سے
 غمزدہ ہو کر رہے ہیں۔ اب وہ سب سے دور ہیں کہ
 نہیں ست رہے اور اس کا یہاں بھی۔ اب ہوا جلا
 صنف کی بات سے یہ تو قیاس ہے۔ چھوٹی ہے اب وہ ملی
 لافزار مراد قائم ہے۔ اب اس کا ہوا۔

بانی انی افکار سے ہوا۔ یہ تو قیاس ہے۔ یہ تو قیاس ہے۔
 وہ ملی سے دنیا کی حرکت سے بڑھ کر ہے۔ اب
 ان کی فکر میں اب اس کا ہوا۔ اب اس کا ہوا۔
 لو اس کا ہوا۔ اب اس کا ہوا۔ اب اس کا ہوا۔
 واقعی شک میں تھا۔ اب اس کا ہوا۔ اب اس کا ہوا۔
 احساس شاید اتنی وہی تھا اس کے جواب میں اس کا ہوا۔
 اپنے کے دل میں کے باتیں۔ اب اس کا ہوا۔
 میں رشتہ بند بننے والی تو اس کا ہوا۔ اب اس کا ہوا۔
 امید ہے یہ چاہی کہ اب اس کا ہوا۔ اب اس کا ہوا۔
 رشتہ ٹوٹنے کی غمزدہ میں تھا۔ اب اس کا ہوا۔
 میں اوپر جانے کو بھی کہ اپنے پیچھے کھڑی جانا کو دیکھ کر
 جناس کی تماں رہ گئی۔ اب اس کا ہوا۔ اب اس کا ہوا۔
 کی کپکپاہٹ اور آنکھوں کی جھلکاہٹ اتنی واضح تھی
 کہ اسے اپنا آپ چھپانے کے لیے اسے قدموں لوٹا
 پڑا۔ میں دکھ سے اس ساہی لڑکی کے ڈولتے قدموں
 کی تھکن محسوس کرنے لگی۔

”کیا مینا محمود سے محبت کرنے لگی تھی؟“ سارا
 واقعہ سن کر رحمہ نے سوال کیا۔

”اس کی دیگر گوں حالت سے لگ تو ایسا ہی رہا تھا۔“
 میں نے قیاس ظاہر کیا۔

”ایسا لگ رہا تھا۔ یہ کہتے ہیں، ہمیشہ لفظ آگے پیچھے
 کر دیتی ہو۔“ بیلا اس موقع پر بھی میرے جملے کی تصحیح
 کرنے سے باز نہ آئی۔

”توبہ۔ ایک تم اور ایک وہ عطا۔“ اس کے ساتھ
 ہی مجھے یاد آیا کہ یہی جملہ ایک دو دن پہلے میں نے عطا
 سے بھی کہا تھا اور اس نے تجا نے جواب میں ایسا کیا کہ
 تھا کہ ذہن الجھ سا گیا تھا۔

آخر کیا کیا تھا اس نے۔ اور کیوں کہا تھا۔ اچھا
 کیوں کو چھوڑ دیا۔ بعد کی بات ہے پہلے اتنا تو یاد آجائے
 ۔ اس نے کہا کیا تھا اور سننے کے بعد اچانک چپ سا ہو
 کر فرار کیوں ہو گیا تھا۔

میں یاد کرنے لگی۔ اصل میں اس کا اچانک بات
 اور پوری چھوڑ کر سہما کے ساتھ بندہ منطبق کھینٹ چلا جانا
 ہی مجھے اچھا لگا تھا۔ صاف لگ رہا تھا کہ بے اختیاری
 میں کچھ کہہ دینے کے بعد چھپانے کی کوشش کر رہا
 ہے۔ اس کی اس حرکت نے میرے ذہن سے وہ بات
 ابھی نکال دی اور اب بیل کے یاد دلانے میں پھر ذہن پر
 زور دینے لگی۔

”محبت و محبت اس بے وقوف لڑکی کو کیا ہونی ہے“
 اسے صرف یہ دکھ ہے کہ اب وہ منگنی شدہ نہیں رہے
 گی۔ ”شواہب نے نیچے نکلا۔

”کسی حد تک تم ٹھیک ہو۔“ بیلا نے تائید کی۔ ”وہ
 اس معاملے کو ویسے ہی لے رہی ہے جیسے امی۔ اسے
 بھی بات ٹوٹنے کی بدنامی، زمانے کے سوالوں کا ڈر اور
 مستقبل میں اچھا رشتہ نہ ملنے کا خوف لاحق ہے۔ اور
 کوئی بات نہیں۔ محبت کیا خاک کرے گی وہ ٹیک
 پروین۔ اسے میں سمجھاؤں گی۔“

”ہاں میرا بھی یہی خیال ہے۔ اگر ابھی محمود سے
 اچھا کوئی دو سرا پروپوزل اس کا آجائے تو ابھی گل بین
 چودھری جو کل سے کمزور بندے کے ٹکے میں منہ دے کر
 سسک رہی ہے، پورے گھر میں آچھل کود کر گاتی

پھرے گی۔“
سیولی میرا ہی میرے بھاگ جگاؤں آگیا
میتوں، میرا ہاؤں آگیا

”ہا۔ ہا۔“ رحمہ نے لٹھڑی سانس بھرتے ہوئے
بھڑے نوٹس بنانے کے لیے فلم اٹھا لیا۔ ”تو میں تو
تجسبی تھی کہ چودھری ہاؤس میں رو نما ہونے والی کسی
محبت بھری داروالت کا تذکرہ ہو گا۔ لیکن نہیں جی۔
ایک جینا سے امید تھی کہ وہ کسی دل آگاہ کر ماستوں کی
فرست میں نام لکھوائے گی وہ جی نہیں۔“ اور
کسی سے تو یہ توقع رکھنا ہی فضول ہے۔ چودھری ہاؤس
کی بچیاں صرف تعلیمی میدان میں اپنے اپنے کارنامے
پیش آتی ہیں۔ یہ تو شہر کی عورتوں کی بات نہیں۔“

میں کشف اور بیباک ایک دوسرے کے ساتھ
اس روز میں ان دونوں کو آپلی کے بارے میں بتا دیا
بعد میں اتنا چھتائی کہ قسمیں کھاتے رہے۔ انہیں اس
راز کی پاسداری کرنے کا واسطہ ہوا۔ ان کے شاہد اب کیا
اور رحمہ ابھی تک تاوانف تھیں کہ چودھری ہاؤس
کی سب سے بڑی ”بٹی“ نہ صرف تعلیمی میدان میں
اپنی قابلیت کے بخیر سے گواہی دے رہی تھی بلکہ محبت کی
چوٹ کھانے کے بعد اس کی نیسوں کو کسی خوف کی
طرح دل پہ سجائے بھی پھرتی ہے۔

ہے نہ لیتی ہوں گی۔ تم ایک تو ویسے ہی نازک سے دل
والی اوپر سے ڈیڑھ پبلی کی۔ تمہیں تو اس کینڈین
ساس نے چٹکی میں نسل دینا تھا۔“

اس نے جینا کے اچھے خاصے بھڑے بھڑے وجود کو
کمال ڈھٹائی سے ڈیڑھ پبلی کا کہا کیونکہ وہ ہمیشہ خود کو
رحان بان سا کھوانے پہ مصر رہتی تھی۔
”لیکن یہ تو سوچو اب میرا بے گار کیا؟“

”تم یہ کیوں نہیں سوچتیں کہ تمہارا کیا بننے جا رہا
تھا، پٹنی، تربت، تحصیل پر نہیں بٹھا کے لے جائیں گے
وہ تمہیں۔ نہ ہی پکوں پہ سجائیں گے اگر کسی نہ کسی
طرح اور اسی نے رشتے کے سسرال والوں کی منتیں
کرتے کرتے انہیں رشتہ توڑنے سے باز رکھ بھی لیا تو
پھر تمہاریا ہوں چاہتی ہو۔ کیا فائدہ ماں باپ کا سر بھی ان
نیشوں کے آگے نہٹے گا تمہارا قدم بھی ہٹا کر دے گا اور
اس سب کے باوجود کوئی اچھی امید بھی نہیں مستقبل
کے بارے میں۔ یہ رشتہ ختم ہونے کی صورت میں کم
از کم مستقبل کے حوالے سے کوئی امید تو رکھی جاسکتی
ہے۔“

اس نے پھر سے سمجھانے کی کوشش کی۔ پتہ نہیں
جینا بھی یا نہیں، لیکن چپ ضرور ہو گئی اور فی الوقت
اترا بھی بست تھا۔



وہ دن تو جینا کے معاملے میں الجھتے ہی گزر گیا۔ کوئی
کالم کی بات نہ پتہ چل سکی۔ صداقت علی کی متوقع
”مناظرہ“ کے بارے میں اگلے دن سب مجھے پھر سے
اکسار ہی تھیں کہ میں اور کچھ سن گن لے کر آؤں۔
”اس سے تو ستر ہے کہ جینا کے آگے ہی ہاتھ پیر جوڑ
کر اگھالو۔“ میں سخت بور ہو گئی تھی وہ ہی دن کی
جاسوسی ہے۔

”نہیں بالکل نہیں۔ آج کل اس کا سامنا کرنا بہت
خطرناک ہے پہلے تو ڈھائی گھنٹے اس کے دکھڑے سننا
پڑیں گے۔“ شاداب نے صاف انکار کر دیا۔
”ویسے بھی جان کر کرنا کیا ہے۔ میرا خیال ہے

”میں تو کہتی ہوں جینا! شکر اوار کہ اس سودے نیم
ٹیس سے تمہاری جان خود بخود بچوت رہی ہے۔ ایمان
سے کسی طرح بھی تمہارے لائق نہیں لگتا تھا۔ کینڈا
کار بننے والا تو لگتا ہی نہ تھا، خانیوال جکشن کا سینئر قلی
نظر آتا تھا۔“

جیلانے غمگین بیٹھی بہن کو دلا ساوینے کی نیت سے
بے چارے سودے کی مٹی پلید کی، لیکن اس پہ کوئی اثر نہ
ہوا۔

”رہنے آتی کا حوصلہ ہے جو ایسی جلاو ساس کو
بداشت کرتی رہیں۔ پھر ان کی صحت بھی تو ماشاء اللہ

شاداب یا سحاب میں سے کوئی ہوگی۔ ان ہی کا نمبر آتا ہے، کشف بھی ہو سکتی ہے۔ ”رحمہ نے اظہار دی۔
 ”اتنا تو ہم بھی جانتے ہیں اصل نام ہی تو جانتا ہے تاکہ کوئی فوری سدباب کیا جاسکے۔“ بیلا نے اسے ششگیس نظروں سے گھورا ”اور ایک تم ہو سحاب“ ایک کام کہا ہے اور تم سے اور بھی ہنسک سے نہ ہو سکتا۔“

”مجھ سے چکاوت لے۔ میں ہواں بھی نہایت بےزار ہوں۔ اتنے سے چند من اتنے زیادہ دن رہنے کیا اور چاہتا ہوں۔“ ”میرے سحابات کا نمبر کیا رکھو؟“

”کتاب اور درجے کے بھی کوئی نمبر ہوگا۔“ بیلا نے جواب دیا۔
 ”میرے سحابات کے نمبر کیا رکھو؟“ بیلا نے جواب دیا۔
 ”میرے سحابات کے نمبر کیا رکھو؟“ بیلا نے جواب دیا۔
 ”میرے سحابات کے نمبر کیا رکھو؟“ بیلا نے جواب دیا۔

”میرے سحابات کے نمبر کیا رکھو؟“ بیلا نے جواب دیا۔
 ”میرے سحابات کے نمبر کیا رکھو؟“ بیلا نے جواب دیا۔
 ”میرے سحابات کے نمبر کیا رکھو؟“ بیلا نے جواب دیا۔
 ”میرے سحابات کے نمبر کیا رکھو؟“ بیلا نے جواب دیا۔

”میرے سحابات کے نمبر کیا رکھو؟“ بیلا نے جواب دیا۔
 ”میرے سحابات کے نمبر کیا رکھو؟“ بیلا نے جواب دیا۔
 ”میرے سحابات کے نمبر کیا رکھو؟“ بیلا نے جواب دیا۔
 ”میرے سحابات کے نمبر کیا رکھو؟“ بیلا نے جواب دیا۔

”میرے سحابات کے نمبر کیا رکھو؟“ بیلا نے جواب دیا۔
 ”میرے سحابات کے نمبر کیا رکھو؟“ بیلا نے جواب دیا۔
 ”میرے سحابات کے نمبر کیا رکھو؟“ بیلا نے جواب دیا۔
 ”میرے سحابات کے نمبر کیا رکھو؟“ بیلا نے جواب دیا۔

”میرے سحابات کے نمبر کیا رکھو؟“ بیلا نے جواب دیا۔
 ”میرے سحابات کے نمبر کیا رکھو؟“ بیلا نے جواب دیا۔
 ”میرے سحابات کے نمبر کیا رکھو؟“ بیلا نے جواب دیا۔
 ”میرے سحابات کے نمبر کیا رکھو؟“ بیلا نے جواب دیا۔

اسنو کر روم میں سیما اور کھٹی کے ساتھ ٹیم کھیل رہے ہیں۔ عطا موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے پرانے فریڈز سے ملنے گیا ہے۔

”کیا کہا تم نے، چھوٹیاں اس زکوٰۃ شجاعت کے ساتھ ہیں۔“ میں فوراً ”الرت ہو گئی۔“ ”حد ہوتی ہے۔“ امروالی کی بھی۔ شاداب تم تو سمجھ دار ہو، تم نے انہیں اس کے ساتھ اکیلا کیوں چھوڑا اور بیلا تم۔ تم ہو سکتے ہو پڑی پندرہنی پھرتی ہو بیکیوں کی اتنا بھی نہیں سمجھا سکتی تھیں کہ ان کے ساتھ زیادہ فری ہونے اور کھیلنے ملنے کی ضرورت نہیں۔“

”کیا ہو گیا ہے سحاب، بچیاں ہیں اور شجاعت۔“ ہماری اپنی جھیلی کا ہے۔ کرن ہے۔ ایسی بھی کیا تنگ نظری ہے۔ ”کشف نے برا سامنے بنایا۔“

”بچیاں؟ کھٹی فرسٹ ایئر میں ہے، حسنہ میٹرک میں۔“ ”تم جب میٹرک میں تھیں اور سیٹ سکھیں میں تو جی جی بتانا۔“ ”کی تھیں؟“ میں نے چہیتا ہوا ہوا کیا ہے سن کر کشف شینا جی اور پھر جو لے سے نکلی بیٹھ رہا دیا۔

”مائی جی! ایسی بات تو خطرناک ہوتی ہے ہر چمکتی ہے ہونا محسوس ہوتی ہے۔ اچھے برے کی تمیز نہیں ہوتی۔ ایسی نہیں لگتی لڑکیوں کو یہ فارن ریٹرن لڑکے بڑی جلدی انویٹا لیتے ہیں۔ رہی بات ان کے کرن ہونے یا اپنا ہونے کی تو رحمہ لیلی! آزاد اور بے باک انھوں میں ملتے والے رشتوں کی اس نزاکت اور پائیزگی کو کیا جاتیں۔ چلو اٹھو، تو میرے ساتھ انہیں لے کر آتے ہیں اور حتیٰ سے منع کرتے ہیں کہ آئندہ ان کے ساتھ اکیلے میں اٹھنے بیٹھنے کی ضرورت نہیں۔“ میں نے کشف کا ہاتھ پکڑا اور ریسیٹ میں ہے اسنو کر روم کی طرف چل پڑی۔

گولائی میں مڑنی بیڑھیوں کے درمیان رک کر میں نے انگلی ہوں پہ رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور کان نیچے سے آتی آوازوں پہ لگا دیے۔ کائنات کی قل قل کرتی کسم ہسی کے ساتھ شجاعت کے بلند آہنگ تھتھے بھی سنائی دے رہے تھے۔ میں نے دانت

بچا جاتے ہوئے تصور میں ہی کشی کے کان بچنے۔
 "تم بہت بڑے وقوف ہو کائنات!" اس نے وہ
 کنٹ دیا جو وہ بچپن سے سنتی چلی آ رہی تھی اور ہر بار
 سننے کے بعد منہ پھلاکتی تھی۔

"الف! سننی بھیا بھی کی کہتے ہیں۔"

"تو اور کیا کہوں تم باتیں ہی اتنی مزے کی کرتی ہو۔
 یہ تو تاکہ تمہاری اتنی چالاک چالاک فریڈز کے ساتھ
 کیسے نہ جاتی ہے۔ تم تو اتنی بھولی بھالی ہو اور وہ
 قصے تم سنار ہی ہو آتے سن کر اندازہ آتے تمہارے
 گروپ کی لڑائیاں خاصی تیز ہیں۔ کوئی تمہاری
 ٹیم پر کچھ غور کرنا چاہتی ہے۔"

"ٹیم پر کچھ غور کرنا؟ ایسا تو ایسا ہی نہیں ہوتا جیسے
 ہیں اور کسی کو یہ بھی نہیں چاہیے کہ وہ اس کے
 دو دو پوائنٹ فریڈز ہیں۔ ہمارے گروپ میں یہ
 سے فکرت کرتی رہتی ہے کہ وہ ان کے بارے میں
 نہیں ہوئی۔" اس کی اس بات پر اس نے
 شہادت کے افسوس کو بڑا کر دیا۔ "تمہاری
 کشتی کے کان میں کتنے ہوتے ہیں۔"

"اگر کچھ موصوف کی چالاک باتیں سنیں تو
 احمق کو اس موصوف کے لیے یہ باتیں سننا
 کرتے ہوئے وہ یہ راز اگل سکتی تھی۔ یہ تو
 بھائی ہونے میں اور بھائی ہیں۔ وہ تو
 شہید کی سے سر ہانے لگی۔"

"تمہاری فریڈز کے اس قسم کے شامش میں
 ہیں؟" وہ ٹھہرے ہوئے منہ پر پتے لگے۔

"سب کے تو نہیں۔" وہ اور وہی کہتا رہا۔
 آئے دن فریڈز بدلتے گئے۔ "تمہارے تو فریڈز
 ہینٹنگ تک محدود رہتی ہے لیکن وہی تو ان
 کے ساتھ گھومنے پھرنے بھی چلی جاتی ہے۔ اس کی
 فیملی بھی زیادہ کنزرویٹو نہیں شاید اس لیے۔"

"اور تمہاری فیملی؟"

"میری۔؟" الف تو یہ۔ "اس نے جھرجھری لی۔
 "ہمارے گھر میں سب کے سامنے تو کیا چھپ کر بھی
 ایسا کوئی کام کرنا مشکل ہے۔ آپنی، رنے آپنی، بچیا، ایسا

سب کچھ، کیونورٹی جاتی رہیں لیکن مجال ہے کہ گھر
 کے اصولوں کے خلاف ذرا سا بھی قدم اٹھائیں۔ میری
 مٹی کا تو آپ کو پتہ ہے، فار نہیں لیکن بڑی ای جیسی ہی
 سخت ہیں بیٹیوں کے معاملے میں نمرو کی مہاکو پر وہی
 نہیں ہوتی، چاہے وہ گھنٹوں فون سے چپکی رہے۔"

"جب تمہارے اور ان کے گھروں کے ماحول میں
 اور تمہاری اور ان کی عادتوں میں اتنا فرق ہے تو پھر اس
 سنی کا کوئی جواز غلط نہیں آتا۔"

"جی! کیا مطلب ہے؟"

"تو بھائی! اگر تم سچ سچ مجھے بھیا، بھتی ہو تو پھر میرا ایک
 مشورہ مانو۔ پہلی فرصت میں اپنی بیٹی بھیج کر دو۔"

تمہارے بیٹی باری ہی محسوس ہی آتے، اچھے خیالوں
 والی ہیں، بے ساختہ اس کی پیپیٹاں رکھنے والی فریڈز سوٹ
 نہیں آتیں۔ کیا تمہیں پہلے کسی نے نہیں سمجھایا۔"

"میں نے بھی کسی کو بتایا ہی نہیں ان کے بارے
 میں۔ مجھے بھی پتا تھا کہ سب سے ڈانٹ پڑے گی آپ
 کے ساتھ ساتھ میرے دوست بھی بنے تو آپ کو
 پتا چلا کہ آپ نے بھی یہی بات کی۔" وہ غصے سے

"اوپر لے کر دوست وہی اچھا ہوتا ہے جو غلط
 کاموں کی نشاندہی کرے اور درست راستے پر قدم
 اٹھانے کی ترغیب دے اور میں تو صرف دوست ہی
 نہیں بھیا بھی ہوں تمہارا پھر کیسے نہ تمہیں ٹوکتا۔"

"لیکن بھیا! نمرو اور ویرڈنگ دونوں بہت اچھی
 لڑکیاں ہیں۔ وہ جو کچھ کرتی ہیں مجھے اس سے کیا؟ کوئی
 مجھے تھوڑا سا تھ چلنے کو کہتی ہیں۔" اس نے فریڈز کی
 بات کی۔

"آج نہیں کہیں لیکن جیسے تم ابھی ان کی غلط
 روش کو غلط سمجھنے سے تیار نہیں، اسی طرح رفتہ رفتہ
 تمہیں اس کھیل میں کشش محسوس ہونے لگے گی پھر
 تمہیں ان کا اپنی فیملی کو چھٹ کرنا بھی برا نہیں لگے گا۔"

برائی بہت جلدی انٹریکٹ کرتی ہے میری گڑیا۔" اس
 کے لہجے میں اتنی شفقت اور فکر مندی تھی کہ میں
 اپنے کچھ دیر پہلے والے خیالات پہ نادام ہو گئی۔

”شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ لیکن کیا کروں
شاداب میری بسن ہے تو بیٹا میری دوست، کچھ اثر تو
آتا ہی ہے۔“

”تو اچھے اثر لوٹاں میری جان! تم نے شاداب کی نفسی نقطہ نظر رکھنے والی سوچ اپنائی۔ اس کی تعلیم کے بارے میں سنجیدگی سے متاثر نہیں ہوئی۔ تم سے آگے سہاب نکل رہی ہے۔ اسی طرح بیلا کی جذباتیت تم میں دن بدن پروان چڑھ رہی ہے لیکن اس کے جیسی پچھلی اور دوسروں کے کام بڑھ کر کرنے کی عادت نہیں چھوڑ کر نہیں گزری۔“

”اچھا اب تم میرے پیچھے لو جیڑنا بند کرو۔ ایسا بھی کیا کر لیا میں نے ذرا وہ تمہارے بچے میاں کی شان میں نہ سناخی کیا ہو گئی کہ۔“

”اے آرام سے۔ تمہارا ہو گا۔ سچی
میاں۔“ کشف نے میرے زور کی دھپ لگائی، ہم
دونوں لڑتے جھگڑتے اندر داخل ہو گئیں تو کمرے کا سنجیدہ
ماحول معنی خیز تھا۔

”کیا ہوا ہے؟ بیلا کہاں گئی؟“
 ”اے بڑی امی نے اپنے کمرے میں ڈلیا ہے۔“
 رحمہ نے اطلاع دی۔

”اور وہاں آنٹی فیصلہ اور آٹمی رابعہ پہلے سے
موجود ہیں۔“ شاداب نے اضافہ کیا۔ میرے کان
کھڑے ہو گئے۔

”نہیں۔ تو کیا... کہیں وہ متوقع لڑکی بیٹا ہی تو نہیں؟“

”شاید۔“ کورس میں جواب ملا۔ میں نے مینا کے بتائے راستے پہ چلتے ہوئے لان کی راہ لی جہاں نچلے نورشن کے تقریباً ”ہر کمرے کی کھڑکی کھلتی تھی۔“

۳۰ چھا اور وہ جوانوں نے آبی اور اپنے سپوت کے بارے میں کہا تھا کہ عمر کا وہ سال کا فرق بھی خاصا نمایاں ہونے لگتا ہے تو اب اس کے اور میری عمر کے درمیان موجود آنچہ نو سال کا فرق نظر نہیں آیا۔ من لیجئے میں نہیں کرنے والی اس عینک والے جن سے شادی۔
میں نے منہ پہ ہاتھ رکھ کے بڑی مشکل سے نہیں ضبط کی۔ یہ دوسری صرف گل بیلا چہ و دہری کا ہی خاصا تھی۔

۳۱ اے لو وہ بڑے نا نہیں چھوٹے ہار شہ زائل رہی ہے تجھے لے لے لے۔ "ہوشیاری کی اطلاع یہ اوتے سورے سے بھرک اٹھی۔

"کوہ قباچہ۔ جس کی ہوشیاری نہانت بدلتی رہتی ہیں لو تھو پیٹ کا تھما۔ ہلکا تو تھو کا پیٹ مارا گیا۔"

"بڑی بات بیٹا یوں میں نے کوئی دھمک ہ
اسٹراٹج ہو تو کمو فضول میں لینے نہت ہاچہ اور بعد
آئی نے تو کا جبکہ اسے اتنی سلاہٹ چاہیے کی
نا کام کو شش رہی تھی۔

اٹھو صنف کا اعتراض۔ بل وہ مجھے نہ سمجھتا ہے۔

۳۲ بھی بات ہے شہنشاہ کی ہوشیاری نہانت بدلتی رہتی ہیں شجاعت بھی پڑی تھی وہی چوتھ ہے آرام سے وہاں بقتال چاہے نہ جتنی رہنا۔ "آئی نے لکھی تھی۔

"کل۔ لیکن میں یہاں نہ جتنا چاہتی ہوں۔ میں نہیں جانے والی ساوتھ اگریٹ۔" وہ ہتھالی سے کندھے بدلتی۔

"تیرا تو باب بھی جائے گا۔" بڑی ہی ظالمانہ خیال ہوش مارنے لگا۔

"ہاں تو ٹھیک ہے انیس بھیج دیجئے۔" وہ اطمینان سے بولی۔

"اور تیرا کیا اچار ڈالوں؟ بت بنا کر راداری میں نصب کروالوں۔"

"مجمول چاہے کیجئے مگر میں یہاں سے ہٹنے والی نہیں۔ سب سن۔ بیچے میں ہرگز ہرگز جیتے جی

جو دھری ہاوس سے نہیں نکلوں گی۔"

"تجھے تو میں بتاتی ہوں۔" اور اس سے پہلے کہ بڑی ابی ٹھینک فارسی گالیوں پہ اترتے ہوئے اس کی باقاعدہ مرست شروع کرتیں رائجہ آنٹی نے دخل دیا۔

"شیریں بھالی! پلیز آج اس بات کو رہنے دیں۔ پھر کسی وقت میں خود آرام سے گل بیلا کو سمجھاؤں گی۔ یہ کوئی طریقہ نہیں جو ان بیٹیوں سے بات کرنے کا۔"

"اور اس کا طریقہ دیکھ رہی ہو عم رائجہ۔ کیسے زبان چلا رہی ہے ہاں کے آگے ارے ان کر تو توں کے ہاتھ تو میں دیتے ہی ایک منٹ گھر میں پروا شت نہ کروں گا۔ یہ ساری عمر یہاں رہنے کی دھمکی دے رہی ہے۔"

ان کا رادام اب روٹے سے منہ و حناپ کر رونے کا تھا۔ وہاں کسی جذباتی لمحے کی زد میں آکر کمزور پڑنے کے خوف سے وہاں سے خشک ہوئی۔

"او کا آئی بہت تھک گیا ہوں۔ یا بہت واک کرنا پڑی۔ آج ایسی ایسی قدم پر چج گلیاں گھما کے لایا ہوں۔ ان کو جہاں گاڑی تو کیا سائیکل کا جانا بھی دشوار ہے۔" انھوں نے صبر سے یہ ڈھیر ہوتے ہوئے کہا۔

تجارت کا بھی یہی حال تھا جبکہ صد اوقت دعا سلام کے بعد ان کیمراسنہا لے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

"گھانا لگاؤں۔" فیصلہ آئی بنو ان تینوں کے انتظار میں بیٹھی تھیں انہوں نے جلدی سے اپنا آخری کلمہ نمٹانے کا سوچا۔

"نہیں بالکل غمخیز نہیں۔" وہ چوٹ پہ ہاتھ پھیرنے لگا پھر کچھ خیال آنے پر شجاعت کو دیکھ کر بولا۔
"تجھے سے پوچھ لیجئے۔"

"نہیں آئی! انظار میں ہی اتنا کچھ لے لیا۔ اس کے بعد پھر زبردستی عطانے دوبارہ ٹھنڈا دیا۔ اب تو سحری تک کی جگہ مشکل سے نکلے گی ہاں البتہ تھوہ چلے گا۔"

"اور میرے لیے چائے۔"
"ابھی بناتی ہوں۔"

میں نے شاداب کو ٹوکا دیا لیکن وہ صوفے پر ہی دراز ہو کر اونچے میں مشغول ہو گئی تھی۔ دوبارہ سے اس کی طرف توجہ دی تو وہ آنکھیں موندے چہرے پر ایک بازو موڑ کر رکھتے ہوئے صوفے کی بیک سے سر ٹکا کر بیٹھا تھا۔

"اور۔ اور بیٹا کیا کہتی ہے؟" چہرہ تو چمپ ہی چمکا تھا، آواز بھی خاصی سپاٹ سی تھی۔

"کہنا کیا ہے؟" سوچا جانتے ہوئے چھوچھو کے آنے سے پہلے ہی ان سے خار کھائے بیٹھی تھی اسے یوں گھر آ کر لائیں میں لڑکیوں کھڑی کر کے یہ مانی کر سنے کا طریقہ کار کچھ پسند نہیں آیا بلکہ اسے تو سرب سے یہ انصاریات پسند ہی نہیں۔ مگر تھیں یہ وہ غم و غم پامیں کے نزدیک تو یہ انصاریات ہی ہیں۔ مگر اس کے کسی کی طرح ایٹھ گئی ہے کہ چہرہ اس کے خنک سے زیادہ مارک سے شادی نہیں کرے گی لیکن بڑے بڑے اور بڑی لڑکی سمیت باقی بڑے بھی تقریباً راضی ہیں اس شہ پر بڑی لڑکیوں بھی لیلیٰ آپنی کے مسلسل انکار اور اس بے بسی کی منگنی کے ڈانٹوں ذیل ہونے سے پریشان نہیں ان کے لیے تو یہ رشتہ نعمت سے بھرپور ہے۔ لیکن سمیت بڑے بیٹا اور بیٹا کسی کو بھی امتیاز نہیں۔ "میں نے آہستہ آواز میں اسے ساری رپورٹ دی۔"

"میں نے پوچھا۔ بیٹا کیا کہتی ہے؟" اس بار اس کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔

"میں نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ کوئی کچھ بھی کر لے وہ چودھری بابو اس سے نفرت والی نہیں۔ مرتے مر جائے گی۔ مگر اس گھر کو چھوڑ کر نہیں نہیں جائے گی۔"

میں نے اس کے الفاظ دہرا دیے۔ عطا ایک جھٹکے سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ غیر معمولی طور پر ہشاش بشاش تھا۔ بیٹا کے کچھ دیر پہلے کے تپتے جملوں کا تھکا تھکا اثر اس کے چہرے سے غائب تھا۔ ہلکی سی مسکراہٹ لبوں کے گوشوں اور آنکھوں کی چٹیلوں پر تحرک رہی تھی۔

پورے گھر میں صبح سے ہی ایک ہلچل مچی ہوئی تھی۔ ہر شخص پر جوش سا تھا اور کیوں نہ ہو۔ کوئی معمولی بات تو نہیں تھی۔

بڑی امی کے ہاتھ پیر مارے خوشی اور اوکھا ہٹ کے پھولے جا رہے تھے۔ ان کا گول گول سفید چکنا چرو سج سج قد حمار کے انار کی طرح لال لال تھا۔ بڑے ابو آج گھر سے نکلنے پر تیار ہی نہ تھے۔ بیٹا انہیں مشکل سے ساتھ لے جانے پر کامیاب ہوئے کہ آج ایک ضروری میٹنگ تھی اور ان کا وہاں ہونا لازمی تھا جبکہ بڑے ابو کے خیال میں آج ان کا گھر پہ ہونا زیادہ ضروری ہے کیونکہ گھر پہ ہونے والی میٹنگ زیادہ اہمیت کی حامل تھی۔ تب بڑی امی نے بتایا کہ اس میٹنگ کے شروع ہونے میں ابھی کئی گھنٹے ہیں اور آپ تو عصر تک آئی جائیں گے۔

البتہ چھٹیاں کرنے کے شوقین حبیب اللہ چاچو خوب جوش و خروش کے ساتھ تمام خواتین کی مدد کر رہے تھے۔ مارکیٹ سے پھل اور گوشت لانے میں بھی اور ڈرائنگ روم کی از سرنو کراکش کے سلسلے میں رائے دینے میں بھی۔ راجہ آنٹی نے کیک بیک کرنے کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ انیسڈ آنٹی کے ذمے بریانی اور نرگسی کوٹنے تھے۔ انغانی کے اور چیلی کہاب بنانا تو ہمیشہ سے ہی بڑی امی کی ڈیوٹی تھی۔ افطاری کے لوازمات کی ذمہ داری بیٹا بیٹا شاداب نے انہیں خوشی بانٹ لی تھی اور میں نے سوٹ ڈش کا ٹھیکا لے رکھا تھا بقول عطا کے اور جس کے لیے یہ سب تیاریاں ہو رہی تھیں وہ ہستی گھر پہ موجود نہ تھی۔ حالانکہ میں نے اور کشف نے لیلیٰ آپنی کو لاکھ روکنے کی کوشش کی کہ کم از کم آج تو گھر پہ رگ جائیں کیونکہ ایک بار گھر سے نکلنے کے بعد وہ وعدہ کرنے کے باوجود کبھی جلدی گھر نہیں آئیں۔ نہ انہیں ہاسپٹل سے باف ڈے لینے کی عادت تھی نہ ہی شام کو فری کلینک پہ بیٹھنے کا نامہ کرنا پسند تھا۔

نا پسند تو انہیں اور بھی بہت کچھ تھا، اپنے ارادوں سے پیچھے ہٹنا، اپنے کئے الفاظ واپس لینا اور اپنی قسم

انہیں دیتے پہ تیار ہوئی ہوں یہ کہہ کر کہ بعد کے حالات کی ذمہ داری میری نہیں۔ آپ سے صرف اتنی ہی التجا ہے کہ انکار ہی کرنا ہو تو خدا را سہیلے سے کہیے گا اور ہاں۔ اس بار وہ اکیلی نہیں ہوں گی ڈاکٹر عمر کی چار سالہ بیٹی بھی ہمراہ ہوگی۔

اتنا کہہ کر وہ تو کمرے میں بند ہو گئیں۔ بڑی امی کو پسوڑی (افرا تقری) بڑ گئی۔ پہلے تو وہ خود کو یہ یقین ہی نہیں دلا پارتی تھیں کہ ان کے کانوں نے کیا سنا ہے۔ پاس بیٹھی بیٹانے کندھے سے ہنسنے لگی کہ ساری بات پھر سے بتائی کئی روز سے اس پہ چھائی سوگواری اڑن چھو ہو چکی تھی۔ بیٹانے بھی منت کی۔

”امی پلیز اس بار نہیں۔ اب نہیں۔ بہت ہو چکا۔“

اس نے ماں کے ٹھنڈے شہار ہاتھ تھام کے التجا کی۔ بڑی امی کے ہوائیاں اڑے چہرے پہ رفتہ رفتہ ہستری کے آثار نمودار ہوئے اور دل ہی دل میں ایک پکا عزم کرتے ہوئے وہ شوہر تادار سے بات کرنے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اس موقع پہ انہوں نے دیور اور دیورانیوں کے ساتھ ساتھ مند کو بھی اعتما میں لینا ضروری سمجھا۔ سب چچا ہی اپنی اس بیٹی کے انکار اور ناراضگی کے پس منظر سے آگاہ تھے لیکن شبنم پھوپھو کے لیے یہ خبر نئی تھی۔ وہ تاسف سے کہتی ہی دیر تک سر ہلاتی رہیں۔

”لیاجی اور اماں جی دونوں پرانے زمانے کے لوگ تھے۔ پرانی سوچوں پرانے رواجوں کو گلے سے لگا کر جینے والے لیکن بھائی جان آخر تھے تو وہ آپ کے والدین ہی۔ اولاد اور اولاد کی اولاد سے محبت ان کے اندر بھری پڑی تھی۔ آپ سب تو نئی سوچ رکھنے والے تھے مگر سب مل کر سمجھاتے بیٹی کے لیے اسٹینڈ لیتے تو وہ مان ہی جاتے۔ چلو اگر کچھ ناراض بھی ہوتے تو کیا تھا۔ کیوں نعمت بھائی جان! آپ نے رابعہ بھالی سے چوری چھپے شادی رچائی تو کیا وہ خفا نہیں ہوئے تھے مگر کتنا عرصہ؟ اسی طرح مجھے یاد ہے وہ فضلہ کے لیے بھی راضی نہیں تھیں لیکن رابعہ اور آپ سب کو

توڑنا، لیکن بھلا ہو ڈاکٹر عمر رحمان کا جنہوں نے دو سال تک لگا کر اس پتھر پہ قسمت آزمائی کرتے ہوئے بالآخر صوم کر دی دیا۔ دو سال پہلے ہی وہ اس ہاسپٹل میں اپائنٹ ہوئے جہاں آپ کی کام کرتی تھیں۔ سالوں کی دوری بھی دونوں کے درمیان محبت کو ختم نہ کر پائی تھی اس کا اندازہ دونوں کو ایک دوسرے کے متناہل آتے ہی ہو گیا۔ لیلیٰ آپلی دل کو کھینچنے پہلنے کی پریکٹس کرتے کرتے اتنی ماہر ہو چکی تھیں کہ انہیں ذرا دیر نہ لگی پھر سے خود کو سنبھالنے میں اور انہوں نے ڈاکٹر عمر رحمان سے مناسب فاصلہ اور بے گانگی اختیار رکھنا شروع کر دی جبکہ ڈاکٹر صاحب جلد ہی ہار مان گئے اور پھر سے تجدید محبت کا راگ اپنا شروع ہو گئے۔ لیلیٰ آپلی کی راہ میں رکاوٹ صرف وہ قسم ہی نہ تھی جو انہوں نے کئی سال پہلے کھائی تھی کہ عمر بھر بے آباد رہ کر وہ اپنے بزرگوں کو ان کی اس غلطی کا احساس دلا جس کی کہ ذات بات کے بے وجہ کے سسٹے کسی کی زندگی سے تمام رنگ اڑا دینے کا باعث بھی بن سکتے ہیں۔ بلکہ ان کے گریز میں ایک اور واضح عنصر بھی شامل تھا اور وہ تھی ڈاکٹر عمر رحمان کی چار سالہ بیٹی۔

ڈاکٹر صاحب کی ماں نے چودھری باؤس سے اتنا جتنک آمیز جواب سننے کے بعد بیٹی کی شادی جلد ہی خاندان میں کر دی اس جلدی کی شادی میں سب کچھ جلدی جلدی ہوا۔ جلدی ہی ان کے ہاں ایک بیٹی ہوئی بیٹی کے گیارہ ماہ بعد جلدی ہی ان کو ایک بیٹا بھی خدا نے دیا مگر جلدی ہی دونوں ماں بیٹا بیٹا تئیس کا شکار ہو کر چل بسے اور اس غم کو بھیجے سے لگائے ڈاکٹر عمر نجانی اور کتنے سال تنہا گزار دیتے کہ جلدی ہی قدرت نے ڈاکٹر گل لیلیٰ چودھری سے ان کو دوبارہ ملوا دیا۔ البتہ ڈاکٹر لیلیٰ کو رضا مند کرنے کا مرحلہ اتنی جلدی نہیں نمٹا اور کل رات ہاسپٹل سے واپسی پر لیلیٰ آپلی نے بڑی امی سے صرف یہ کہا کہ۔

”عمر رحمان کی والدہ ایک بار پھر آپ کے گھر آنا چاہتی ہیں۔ یہ فیصلہ اب بھی آپ کے ہاتھ ہے۔ ڈاکٹر عمر کے مجبور کرنے پہ میں صرف یہاں تک کی اجازت

ہے، پھوپھو کے بارے میں یوں بد تمیزی سے تو مت بولا کرو۔ وہ بے چاری تو اتنی مخلص ہیں، دیکھا نہیں اب بھی آپنی کے لیے کیسے بھائیوں کو کنوٹیں کیا۔“
 ”بلکہ وہی کیوں؟ بھائی جان کینڈا کی تو خیر خبر لیجیے، آخر رخنے کے سسرال والوں کے کیا ارادے ہیں۔ رخی سے کیسے، بیٹھائی بن کر اب جینا کے دن رکھتے بھی آئی جائے۔“ مینا کی منگنی کے پھدے سے بے خبر پھوپھو نے نیا شو نہ چھوڑا۔
 ”اب میں کچھ کہوں گی تو پھوپھو کی، جبینیوں کو برا لگے گا لیکن تم خود سوچو کس قدر شوق ہے انہیں سب کے ہاتھ پیلے پھٹ کر نہ کا۔“
 ”شوق واکولی مول نہیں۔“ شاداب گنگنائی۔



گل لیلی آپنی کے سلسلے میں آنے والے مسالوں کی خوشی تو سب کو تھی لیکن ساتھ میں جس طرح پھوپھو ہار ہار بڑے ابو سے بیلا کے لیے اصرار کر رہی تھیں وہ کچھ لوگوں کے لیے الجھن کا باعث تھا اور ان کچھ لوگوں میں سے چند ایک کی الجھن میری سمجھ سے باہر تھی۔

بڑے ابو اور بی بی امی کی الجھن تو کچھ بیلا کی ناخوشی کی وجہ سے تھی کہ وہ جبراً اسے شجاعت کے لیے مجبور نہیں کر سکتے تھے حالانکہ بی بی امی کو تو اس میں کوئی قباحت نظر نہ آتی تھی وہ تو اس رشتے میں دل و جان سے فدا تھیں یہاں تک کہ خوشی خوشی بیلا کی ٹھکانی کر کے بھی اس کے مزاج درست کرنے پر تیار تھیں لیکن رابعہ آنٹی اور بڑے ابو نے سمجھایا۔ ان کے تذبذب کی دوسری وجہ چٹا تھی۔ جس طرح مینا کا معاملہ لٹکا ہوا تھا، ان حالات میں بڑے ابو چاہتے ہوئے بھی شبنم پھوپھو کو حتمی جواب نہیں دے سکتے تھے کہ وہ تو شادی پہ آگئی بیٹھی تھیں۔ ہاں سنتے ہی تانہ ٹانگ بیٹھتیں اور وہ مینا کا معاملہ واضح ہونے تک ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ بیلا کا منہ سو جا ہوا تھا تو اس کی وجہ بھی سمجھ میں آتی تھی۔ اس نے شبنم پھوپھو کے آنے سے پہلے ہی ان کے مقصد اور ارادوں پہ اس طرح جی بھر کے تنقید کی

جیب کے لیے بھی لڑکی بھائی تو آخر وہ مان گئیں۔ پھر یہ تو مت کیجیے کہ آپ سب اماں جی کی ضد کے آگے مجبور تھے دراصل اندر سے آپ سب کی اپنی سوچ بھی اس وقت وہی تھی۔ اب بدلتے وقت کے تقاضوں نے بدلنے پر مجبور کر دیا ہے تو کھل کر تسلیم کریں اپنی غلطی اور اسے سدھارنے کا بھی سوچیں۔“
 ”ہاں بھائی صاحب! اب اس بات پہ توجہ دینے کا وقت نہیں کہ اس کی پہلی بیوی مر چکی ہے اور ایک بیٹی بھی موجود ہے۔ اب آپ کو صرف گل لیلی کی زندگی کے اتنے شہرہ سال برباد کرنے کی غلطی کا ازالہ کرنا ہے۔“ بیلا نے راستہ ہی۔
 ”تو پھر فون کر کے کل افطاری پہ مدعو کر لیں۔“ بڑے ابو موزوں سے راضی تھے غریب بعد سیتے یہ بڑا پچھتاوا کا بھاری پتھر ہونے کے انہوں نے غلط فہمی سے جس بھائی کے منہ سے سنو کر لیا تھا۔
 ”ہاں۔۔۔“ شبنم نے تھکے سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔
 ”اللہ اللہ کر کے یہ سب کچھ رات میں ہی سمجھ لیں۔“
 ”بڑی امی بارگاہ شریعتی۔۔۔“ شاداب گنگنائی نے غصے سے لگائے۔
 ”میری لیلی بڑی مہربان ہے۔۔۔“ شاداب گنگنائی نے سارے انتہائی مہربانانہ لہجے میں کہا۔
 ”ساروں کی فانی سے بھی زیادہ مہربان۔“ شاداب گنگنائی نے اندر اللہ اس کے صبر اور آزمائش پر دعا کی۔
 ”آمین۔ اور بھائی جان بات یہی کہ لٹکا ہے گانا لیلی کی نہ ہی بیلا کی۔ بس اتنا کہ نام لے کر ہاں نہ کہے اور تیاریاں شروع میں تو چاہتی تھیں وہ تو ان فرائض سے لکھتے ہی سیکندرش ہو جائیے۔“ شبنم پھوپھو کی رائے پہ خوشی خوشی سارنی اور بی بی امی کی خوشی گل بیلا جل کر رہ گئی۔
 ”انہیں ضرور رنج میں اپنے ناز لے گھسیٹنے ہوتے ہیں۔“
 ”لو نموں۔۔۔ بڑی ہیں وہ بیلا۔ تمیز سے بولا کرو۔“
 شگفتہ کو برا محسوس ہوا۔ ”نہیں جو اعتراض ہے سو

تھی کہ اب اس کو یہ حقیقت تسلیم کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ وہ خود ان کا شکار ہو چکی ہے۔ یوں بھی اس کے بقول وہ دس مینٹل نہیں ہے۔ چوڑیاں پنسنے سے اس کی کٹائی میں خارش شروع ہو جاتی ہے۔ مندی کی خوشبو سے چھینکیں آنا شروع ہو جاتی ہیں اور انہیں تو دیکھتے ہی ٹپکائی آ جاتی ہے لہذا اس کی شاوی کا خیال بھی کوئی دل میں نہ لائے۔ لیکن اس کے اس فتویٰ پر ایمان لانے کا کسی کا بھی ارادہ نہ تھا اس لیے سببم پھوپھو کی کوششیں بھی جاری تھیں اور بڑے ابو کا تذبذب بھی دم توڑ رہا تھا۔

ایسے شاداب اور عطا دونوں کے اترے چہرے اور چڑھی تیوریاں مجھے پریشان کر رہی تھیں۔ شاداب صبح سے سب کو کٹ کھانے کو دوڑ رہی تھی جیلہ عطا تھوڑی تھوڑی دیر بعد کمرے میں بند ہو جاتا۔ جب اس کی ضرورت پڑتی، ٹمکیں ہی شکل بنائے برآمد ہوتا۔ چپ کر کے کام کرتا اور کچھست اپنے کمرے میں عتاب جہاں درد بھری غزلیوں کی صدا اس کو جگ رہی تھیں۔ سب سے پہلے میں نے اسے آواز دیا۔

”تم کیوں یہ قہار بنے بیٹے ہو نہ بیڑے۔“
”دیکھ اس وقت مست چھینا۔“ تپے میں سر اسیوے وہ اوندھالینا مسلسل چہرہ رہا تھا۔

”تو پھر کوئی مناسب سا وقت آپ ابوری تجویز کر دیجئے۔“ میں اس کی دھمکی سے ذرا مرعوب نہ ہوتے ہوئے وہیں بیٹھ گئی۔

”میرا برا وقت چل رہا ہے جس میں کسی مناسب گھڑی کا ملنا ممکن نہیں۔“ اس کی مایوسی وہل کر فٹکی اٹھا کو تھی۔

”تو یاروں دوستوں کی خدمات حاصل کرو میرے بیڑے! آخر ہم کس کام آئیں گے۔“
”تم کسی کام کی نہیں۔“

”بھی بیٹا بھی کی کہہ رہی تھی۔ لیکن یار اس کا مسئلہ دوسرا ہے۔ بھی جو کیس ہوں کی عدالت میں چل رہا ہو اس میں میں اس کی کیا مدد کر سکتی ہوں لیکن

اس نے بھی تمہاری طرح ہی بھاری بھر کم سا طعنہ دے مارا واقعی تم دونوں۔ اچانک تم اور بیٹا دونوں ہی۔“ کہتے کہتے میں رک گئی۔ یہ جملہ اب ضرورت سے زیادہ ہی جانا پہچانا ہو گیا۔ پہلے کی طرح یہ کہنے کے بعد مجھے یہ یاد کرنے کی ضرورت نہ پڑی کہ عطا نے اس تقریر کی مناسبت سے آخر اس روز کیا عجیب سی بات کی تھی۔ بلکہ کھٹ سے وہ بات میرے ذہن میں خود ہی گونج اٹھی۔

”پلیز ایک بار پھر سے کہو۔ میں اور بیٹا۔ بیٹا اور میں۔“

”عط۔ ملا۔“ یاد آتے ہی جیسے ساری گتھی سلجھ گئی۔

”تو چور تھی عطا اللہ نعمت۔ یہ ہے ساری کہانی۔ میں سمجھ گئی سب کچھ سمجھ گئی۔“ میں نے فاتحانہ انداز سے لگائے جنہیں وہ کسی خاطر میں نہ لایا۔

”تو کیا یہ۔ تم مارے مجھے سے کیا ہوتا ہے۔ جسے مجھ سے وہ تو خود سے بھی انجان ہے۔ میرے حال دل سے آیا خاک و لاف ہو گی اور جن کو یہ ناپا بار لگائی ہے وہ چراغ تلے اندھیرا کیے بیٹھے ساؤتھ افریقہ میں چراغاں کر رہی تھی۔“

”چراغ تلے اندھیرا نہیں بدھو یہاں وہ مثال بھلی لگے گی، گھر کا مرغداں برابر پھر بچہ بغل میں ڈھنڈورا شہر میں۔ یا پھر۔“

”چلو تم میرے مسئلے کو چھوڑو، پہلے میرے محاورات درست کر لو۔ اماں کے ارادے۔“

”اچھا اور وہ جو تم دونوں ہر وقت میرے جملوں کو ٹوک ٹوک کر درست کرتے رہتے تھے وہ یاد نہیں۔ تم دونوں۔ تم اور بیٹا۔ عطا اللہ اور گل بیٹا۔ یعنی کہ گل بیٹا اور عطا اللہ۔“ میں شرارت سے کہتی چپچپے پلٹنے لگی کہ اس سے کچھ بعید نہ تھا وہ مجھے سائیڈ میبل پر پڑا گلہ ان بھی دے مارتا۔

”ہوں تو ان جناب کے چہرے پر بارہ بجنے اور کمرے میں عطا اللہ عیسیٰ حبیلوی کے درد بھرے گیتوں کے ابھرنے کا راز تو کھلا۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے

اور نامعلوم رجسٹر تھی جو وہ بچپن سے بڑی امی کے لیے دل میں پالے ہوئے تھی۔ لیکن کیلی آئی وہ ہستی تھیں جن کے خلاف کوئی دل میں ہلکا سا غبار بھی نہیں رکھ سکتا تھا اس لیے جیسے ہی شام کو مسمان آئے شاداب اور عطا سمیت سب خوشی سے سرشار کسی اچھی خبر کے انتظار میں اکٹھے ہو گئے۔

پرانی تکلیف وہ باتوں کو چھیڑنے کے بجائے عمر رحمان کی والدہ نے نئے سرے سے بات چھیڑی اور یہی آسان طریقہ تھا تلخی سے بچنے کا۔ ان کے اس طرز عمل نے بڑے ابو کو فیصلہ کرنے میں تاخیر کا موقع نہ دیا اور یوں افطاری کے بعد باقاعدہ منہ میٹھا کرایا گیا۔ آنٹی راجہ کا بنایا چیری اینڈ چیزز کیک اور میرے تیار کردہ گاجر کے حلوے اور گلاب جمانوں نے خوب ساتھ دیا۔ آئی کے چہرے پہ بھی عرصے بعد ایک رنگ تھا ایک سکون تھا۔

ابھی اس خوشی کو صحیح طرح سے سبلیوٹ بھی نہ کیا گیا تھا کہ لیٹ نائٹ کنیڈا سے آنے والی صفدر بھائی جان کی والدہ کی کال نے سوگواری پھیلا دی۔ اگرچہ رہنے آئی کے بتانے کے بعد سب ہی اس رشتے سے بے اطمینانی ظاہر کرتے ہوئے خود کو ذہنی طور پہ تیار کر چکے تھے لیکن اب مثلنی توڑنے کا باقاعدہ اعلان سب ہی کو خاموش کر گیا۔ بیٹا نے جتنا رونا تھا، رو چکی تھی اب سر جھکائے بیٹی ناخن کھرچ رہی تھی۔ بیلا ”مہوے نیم پس“ کو بے لفظ سنارہی تھی۔ بڑی امی کے چہرے کا رنگ پھر سے پھیکا پڑ گیا تھا اور بڑے ابو کے شانے پھر سے جھک گئے تھے۔ شبنم پھوپھو کے لیے یہ خبر ایک شاک تھی کیونکہ وہ پہلے کے واقعات سے ناواقف تھیں۔

”بھائی! آپ نے پہلے ذکر ہی نہ کیا۔“

”کیا کہتی، دل ہی دل میں سب صحیح ہونے کی دعا کرتی رہی۔“

”ارے جب پتہ تھا کہ آج کل میں یہ ہونا ہے تو کیوں نہ خود پہلے فون کر کے انکار دے مارا ان خبیثوں کے منہ پہ۔“

بارے میں بعد میں سوچا جائے گا۔ ٹھہرو پہلے یہ عقدہ تو سلجھا لیں کہ شاداب بی بی کی بچھی بچھی سی کیفیت کے پیچھے بھی تو کسی وار وراثت لگی کا ہاتھ نہیں؟ ہیں۔ شجاعت۔ نہیں نہیں۔ لیکن ہاں ہاں۔ ہو بھی سکتا ہے اگر عطا کے دل میں بیلا کٹلی مار کے بیٹھ سکتی ہے جن کے سفارتی تعلقات بچپن سے ہی کشیدگی کا شکار ہیں تو شاداب کو شجاعت کیوں نہیں پسند آ سکتا۔

اندازے لگاتی میں شاداب کے پاس جا بچھی بڑی دل سوڑی سے اس کے چپ چپ رہنے کی وجہ دریافت کی۔ جواباً وہ پھٹ پڑی۔

”تم کبھی میری بات یہ نہیں نہیں کرتیں۔ دیکھ لی اب تم نے بڑی امی کی چالاکی۔ چلو مان لیا گل لیلی آئی کے لیے آئے والے رشتے میں ان کا کوئی عمل دخل نہیں لیکن آخر کوئی وجہ ہوگی جو شبنم پھوپھو کو سوائے ان کی بیٹیوں کے اور کوئی نہیں آتا۔“ مجھے اپنا خدشہ درست ہو نامعلوم ہوا۔

”ہاں۔ واقعی میرا تو خیال تھا شجاعت کے ساتھ تم زیادہ سوچ کرتی ہو۔“ میں نے تاک کر نہایت لگایا لیکن وہ بدک اٹھی۔

”نفع اندیش۔ میں کوئی یہ تھوڑا ہی کہہ رہی ہوں۔ کشف بھی ہے، تم بھی ہو اگر منہ سے پھر آؤ۔“ مائی امی پھوپھو کو کسی اور طرف جاتے کیوں نہیں دے رہیں۔ ساف ظاہر ہے انہیں کھیرے بیٹھی ہیں۔ فیصلہ آنٹی کالج کے چکروں میں بڑی راجہ آنٹی ہیں تو ہر وقت عبادات و وظائف میں مصروف اور ہماری تو خیر ہاں ہی نہیں جو کچھ سوچے ایسے میں مائی امی کے مزے ہیں۔ ”وہ غصے میں بڑی امی کو اکثر مائی امی کہہ جاتی۔“

”تو ابھی کون سا ہاں کر دی ہے انہوں نے آج تو اللہ اللہ کر کے آئی کا فیصلہ ہو گا پھر۔“

”ہاں پھر بیلا اور دیکھنا یہ جو بیٹا کا برسانہ بنایا جا رہا ہے تاخیر کے لیے وہ بھی صرف پھوپھو کی توجہ بینا کی طرف کرنے کے لیے ہے۔“

”نئے منہ۔“ میں کسی اور بات کی کھوج میں آئی تھی پتہ چلا شاداب کے اترے چہرے کی وجہ وہ حسد

”یہ کیا بات ہوئی بھائی! آخر پہلے بھی تو آپ ایک ہی گھر میں دو بیٹیاں بیاہ رہی تھیں، پہلے بیٹا رہنے کی ویو رانی بنے جا رہی تھی اب چھوٹی بہن کی جیٹھانی بن جائے تو کیا برا ہے۔“

”تمہیں کیسے سمجھاؤں شبنم! میں نے خود کو صرف ان چار لڑکیوں کی ماں ہی نہیں سمجھا بلکہ اس گھر کی ہر بچی میری بچی ہے اور خصوصاً رحمت اللہ کی تینوں بیٹیاں ان بن ماں کی بچیوں کو تو میں نے اپنی ذمہ داری ہی سمجھا ہے۔ میں تمہارے آگے کسی ایک کا نام تجویز نہیں کروں گی کہ یہ بیٹیاں مجھے اتنی بھاری نہیں ہوں نام لے کر تمہیں رضامند کروں۔ وہ تو تمہاری اپنی مرضی ہے کہ تم کسی کو لیتی ہو، لیتی بھی ہو یا نہیں لیکن تمہاری محبت پر یہ میرے خلوص پہ کوئی شک نہیں۔ یہ مجھ سے براشت نہ ہو گا۔“

میں نے کن ان کیوں سے شاداب کو دیکھا وہ نظریں چاٹتی گئی۔

”کیسی باتیں کر رہی ہیں بھائی! کسی کو کیا اعتراض ہو

”اسی کو نہ بھی ہو مجھے اچھا نہیں لگے گا کہ میں تو اچھی تین تین بیٹیوں کی شادیاں نہاتی پھروں اور رابعہ اس کے لیے ایک بیٹی کی بھی بات طے نہ ہو۔ نہیں انہیں کوئی رشتوں کی کمی تھوڑا ہی ہے۔ میری شاداب، شہاب، کشف، رحمہ سب شکل و صورت اعلیٰ ہنر میں ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ میں اگر تمہاری بات مان لوں تو ان پہ کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن مجھے بے اطمینانی سی رہے گی کہ میں نے اپنی دو سری بیٹیوں کا حق مار لیا۔ بیٹا کی قسمت میں جو ہو گا اسے مل جائے گا۔“

وہ رخساروں پہ ہنسنے والے آنسو صاف کر رہی تھیں اور باہر کھڑی شاداب کا چہرہ آہستہ آہستہ بھٹک رہا تھا۔ میں نے اسے چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ بستر تھا وہ خود ہی شرمندہ ہوتی۔

”کس کا فون تھا سیماب بیٹا؟“ رابعہ آٹھی نے

بیٹا ماحول کی ٹینشن کے باوجود میرے کان میں گھس کر کہنے سے باز نہ آئی۔ ”گلتا ہے جملہ توڑ مروڑ کر کہنے کی عادت تمہنے پھوپھو ہی سے لی ہے۔“

”اور کچھ نہیں تو کم از کم مجھے ہی بتا دیا ہوتا۔ گل لپٹی کے بعد اصولاً تو مجھے بیٹا کے بجائے بیٹا۔ لیکن وہ منسوب تھی تو اس لیے“ چانک انہیں کمرے میں موجود چار بکریوں کا دھیان آیا۔

”اے لڑکیو! ذرا تم لوگ باہر تو نکلو۔“ لیکن ہمارے کان کھڑے ہو چکے تھے خصوصاً میرے۔ جو عطا کو اچھی خبر سنانے کا لارا لگا آئی تھی۔ پھوپھو کے سہم سے الفاظ مجھے امید دلا گئے کہ شاید اب بیٹا کے بجائے وہ بیٹا کو اور بیٹا اور عطا۔ عطا اور عطا۔

اسی لیے چپ چاپ سر جھکا کر باہر نکلتے۔ بعد تینوں۔ جی ہاں ہم تینوں لائیں بنا کر دوڑا ہے۔ لیکن کن سوئیاں لینے کھڑے ہوئے اسے اس نے گھر میں باتھ چھڑا کر لاؤں میں نکلتی۔ اسے شاید سب کچھ سے دلچسپی نہ رہی تھی۔ میں نے اسے کچھ نہیں

”شیریں بھائی! ایسے تو یہ بات سب سمجھا کر رہے ہیں۔ لیکن آپ سے کہیں۔ اگر سب سمجھ لیں تو دینے کے لیے کر رہی ہوں کہ بیٹا کے لیے تو قصہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ شہابی ہی ملے گا۔ اب یہاں غصہ ہو گیا۔ ہر کام میں اللہ کی مشیقت ہوتی ہے۔ جان پھنسی چند اہل سے آپ فکر مشغول رہتے۔ میرا دوسرا بیٹا حاضر ہے۔ آخر صداقت بتا آپ پہلے اس کا کروں گی تو انہی کی باروں کے لیے دو تو بیٹا کے ساتھ صداقت کا جوڑ نہیں چھڑا رہا تھا اس لیے پھوپھو کا نام لیا۔ اب میں بھائی جان سے آپ کی دونوں بیٹیوں کے لیے سوال کروں گی۔“

نہیں شبنم! بس اب تمہاری محبت ہے۔ میں اس کی قدر کرتی ہوں لیکن دیکھو یہ ذکر مت کرنا۔ جانے دو اس بات کو۔ بس بیٹا کی بات کرو اب میں دو بیٹیاں کیسے تمہیں۔ تم مجھے غلط مت سمجھنا مگر۔“ انہوں نے آنسو پونچھتے ہوئے فوراً انکار کر دیا۔ پھوپھو کا بکا رہ گئیں۔

پوچھا۔
 ”وہ شاداب کی ایک دوست ہوا کرتی تھی نا۔
 عروج۔“ میں نے ریسور رکھتے ہوئے تفصیل بتانا چاہی
 کہ یہاں بات ایک لی۔
 ”وہی جس کا زوال بی اے کے دوران ہی ہو گیا
 تھا۔“

”ہاں ہاں وہی جس کی شادی انکیزا مزے نہیک دو
 بٹے پہلے ہو گئی تھی۔ یاد ہے آپ کو اتنی ہم بھی گئے
 تھے شادی پر۔“

”ہاں وہ بچی تو شاداب کی خاصی اچھی دوست ہوا
 کرتی تھی۔ ساتھ کہ آری آفسر سے بیانی گئی ہے اور
 کسی دور دراز کے شہر میں پوسٹ ہو گئی ہے۔ خاصے
 عرصے کے بعد فون آیا ہے اس کا۔“

”جی“ آج کل اپنے سیکے آئی ہوئی ہے اور کہ رہی
 تھی کہ ایک ڈیرھ گھنٹے بعد آری سب میں نے بتایا
 بھی کہ شاداب ابھی پورے میں ہے اور وہاں سے
 سیدھی کو چنگ سینٹر چلی جائے گی۔ تم شام کو چلی آنا
 لیکن ساری بات سننے کے بعد بھی سننے لگی کہ اس ہم آ
 رہے ہیں۔“

”اہم؟“ آنٹی پوچھیں۔ ”اس کا سبب بتاؤ گا ساتھ
 میں؟“

”شاید وہ بھی ہو اپنی امی اور بھائی کے ساتھ ہونے
 کا تو اس نے بتایا سب۔“

میری اس اطلاع پر راہجہ آنٹی نے معنی خیز انداز
 میں بڑی امی کو دیکھا وہ بھی بالک چنتے چنتے رک کر بات
 کو جانچنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ دونوں کے لبوں پر
 ایک مشترکہ مسکان پھیلی اور پورے جوش و خروش
 کے ساتھ آنے والے مسافروں کے استقبال کی تیاری
 شروع ہو گئی۔

آنٹی اور بڑی امی کی خالیں ٹی کی ماں ہونے کی حس
 نے بالکل درست سنل دیا تھا۔

عروج کے بھائی کے لیے لڑکی کی تلاش جاری تھی۔
 اس کے سیکے آنے کے بعد جب اس سے مدد طلب کی
 گئی تو اس کی آنکھوں کے آگے اس کی اکلوتی دوست

شاداب کا چہرہ آگیا۔ جس کے ظاہری حسن کے ساتھ
 ساتھ اس کی ذہانت اور خوش مزاجی کی وہ شروع سے
 قائل تھی۔ اس نے شاداب کا نام لیا تو اس کی امی اور
 بھائی کو بھی وہ دراز قامت، لمبے بالوں اور بڑی بڑی غزالی
 آنکھوں والی زندہ دل لڑکی یاد آگئی جس کے نام کی طرح
 شادابی اس کی پوری شخصیت پر چھائی ہوئی تھی۔

عروج پورے فیملی کے ساتھ آئی اور آتے ہی مدعا
 ظاہر کر دیا گیا۔ ایسر جیسی میں فون کر کے بڑے ابو اور
 بڑے پاپا کو بلایا گیا۔ وہ لوگ تو پھللی پہ سرسوں جھانے
 کے خواہاں تھے لیکن راہجہ آنٹی نے سلیقے سے ان سے
 سوچ بچار کے لیے وقت طلب کرتے ہوئے ٹالا۔
 عروج کی امی نے انہیں اپنے گھر مدعو کیا تاکہ وہ لوگ
 بھی اچھی طرح ان کے بیٹے عامر کو دیکھ بھال لیں۔ وہ
 بس نکلنے ہی والے تھے کہ کھنکی باری شاداب آگئی۔
 اتنے عرصے بعد عروج کو اپنے سامنے پا کر خوشی سے بے
 حال ہو گئی۔

”ارے یہ کیا میں آئی اور تم چل دیں۔ کچھ دیر بیٹھو
 نا۔“ وہ ہاتھ کھینچ کر اسے اندر لے جانے لگی۔

”بہت دیر سے آئے بیٹھے ہیں۔ دوبارہ آؤں گی تو
 تمہارے ساتھ زیادہ وقت گزاروں گی۔“

”اظہاری میں کچھ وقت رہتا ہے۔ آپ لوگ رک
 ہی جائیں تو بہتر ہے۔“ آنٹی نے ایک بار پھر مہمان
 نوازی نبھاتے ہوئے اصرار کیا۔

”اب تو آپ دوبارہ بلا میں گے تو آئیں گے۔“
 عروج کی امی نے خوشدلی سے مسکراتے ہوئے کہا۔
 آنٹی نے جواباً کچھ کہنے سے فی الحال احتراز کیا۔ ان
 کے جانے کے بعد شاداب بدیر ملنے لگی۔

”یہ عروج کس قدر عجیب سی ہو گئی ہے ایک تو
 دوست سے ملنے کے لیے پورا امیر اٹھالائی دو سر اجاتے
 جاتے پھر سے کہہ گئی کہ اب مدعو کریں گے تو آئے گی
 حالانکہ شادی کے فوراً بعد میں نے اسے اور اس کے
 گھونچو سے میاں کو کھانے پر بلایا تھا اب ہر بار خصوصی
 دعوت دوں گی تو کیا تب آئیں گی محترمہ؟ کتنا نہیں ہو سکا
 محترمہ سے کہ جھوٹے منہ مجھے ہی کہہ دیتی اپنے گھر

رہتی ہو۔“

”تم دونوں آپس میں چونچ ہی لڑائی رہا کرو۔ دیکھنا ایک دن کیا نتیجہ نکلے گا۔ ایک کی چونچ کم ہوگی تو دوسری کی دم۔ یہ سوچو اب سب کا کیاری ایکشن ہوگا اس رشتے کے بارے میں رات کی میٹنگ کی تمام تفصیل لانے میں کون میری مدد کرے گا۔“

”قربا“ سب ہی کے ہاتھ کھڑے ہو گئے۔ میں نے افسوس اور ندامت سے سر ہلایا۔

”کیسی اچھی بچیاں ہوا کرتی تھیں ہم“ اپنے آپ میں مگن، بے پروا، بے ضرر۔ یہ نت نئی رونما ہونے والی رشتہ داریاں ہمیں کیسی بری لٹ میں مبتلا کر گئیں۔ کیا چسکا بچ گیا ہے جاسوسی کرنے کا۔“

”لگتا ہے تم وہ شیرازوں سے خواتین بننے کے مرحلے میں داخل ہو رہی ہیں۔“ حمزہ نے پیشانی گونگی کی جسے سن کر سب احتجاجاً چلا اٹھیں۔



جو تھے دن چودھری ہاؤس سے ایک جتنے کا جتن عامر کو دیکھنے روانہ ہوا۔ عطا پر سب ہی نے زور ڈالا جانے کے لیے لیکن وہ بے دلی سے اپنے نام میں مصروف رہا۔ اسے رات کو ہی واپس رسالہ پور جانا تھا۔ اگرچہ اس کی تین چھٹیاں باقی تھیں لیکن بڑے ابو کے کہنے پہ وہ واپس جا رہا تھا تاکہ یہ تین چھٹیاں عید کے موقع پہ کام میں ملائی جاسکیں۔

خٹیم چھو پھو کی ساس بھی مع اپنے بڑے بیٹے اور اس کی جھیلی کے عمو سے واپس آ رہی تھیں اور آج انہیں اپنے سسرال جانا تھا لیکن شاداب کی وجہ سے انہوں نے بیٹوں کو دادی کے پاس بھیج دیا اور خود ایک دن کے لیے رک گئیں۔

”عطا! تم اونچی چلے جاؤ گے۔ ایسے ہی۔؟“

میں نے بیک میں کپڑے ٹھونستے ہوئے عطا اللہ سے پوچھا۔

”جیسے اس کی خاموشی اور اس کر رہی تھی۔ اگرچہ بیلا کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اور کچھ بیلا کے ساتھ ہونے

آنے کے لیے۔“

”جھوٹے منہ نہیں وہ سچے منہ نہیں اپنے گھر آنے کی دعوت دے گئی ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔“

بیٹ کی ہلکی بیٹانے فوراً اسے ایک طرف لے جا کر ساری بات بتائی۔ میں اس کے چہرے پہ پچھلے ست رنگے جذبات دیکھنے اور بیلا کی جھنجھلاہٹ دیکھنے کی ہنسنے لگی۔ اس نے معمول کے انداز میں ساری خبر یوں سنی جیسے بیٹانے اسے نمائزہ دے رہی ہے یا آٹا سٹا ہونے کی خبر سنائی ہو۔ ساری بات سننے کے بعد اس نے بے فکری سے شانے اچکائے۔

”اچھا اچھا۔ میں بھی کون یہ عروج کے تاثرات اسے براہ سر سے کیوں ہیں۔“

”مٹا دیوں گا ایک یزن ہوا کرتا ہے یہ تو سن رکھا تھا کہ سال میں ایک توہ میت ہوا کرتا ہے جن میں ہر گلی میں قاتل گلی ہوتی ہے اور ہر گلی کوٹ ہال میں دو دو تین تین شفتیں لگا کرتی ہیں لیکن ایسا پہلی بار دیکھا ہے کہ یوں رشتوں کی وبا پھوٹ پڑی ہو اور میں تو سچی ہوں جو بیتی پگی ہیں وہ اپنے خورپ کوئی حفاظتی لیے لگوا لیں اس سے پہلے کہ کوئی مسئلہ وار اس ان کو اپنی بیٹ میں لے لے۔ میرا خیال ہے یہ براہیم خٹیم چھپو اپنے ساتھ ساتھ فریقہ سے لڑتی ہیں۔“ بیلا نے حسب عادت اس کا سر ابھی پچھیم کے سر پر رکھا۔

”اور میرا خیال ہے کہ بڑی امی نے رسالے میں روحانی مشوروں والے کالم سے ہانڈی تالے کا وظیفہ بڑھ لیا ہے اور شاید زیادہ ہی تعداد میں ہانڈیاں جمع کر لیں اسی لیے روز کے دو دو تین تین رشتے طے ہو رہے ہیں۔“ کشف نے قیاس آرائی کی۔

”امی پڑھنا جانتی ہی نہیں اور معاف کرنا زیادہ وظیفہ تمہاری امی کرتی ہیں۔ یقیناً“ رابعہ آنٹی کی تجدد کی نمازیں اور لیے لیے سجدے کام کر گئے ہیں رمضان کا مہینہ ہے، ثنایاں رخصتیں برس رہی ہیں۔“ بیٹانے کہا تو بیلا نے فوراً اختلاف کیا۔

”رحمتیں؟۔ اور تم۔ کیا برسی۔ اسے بھی پھر رحمت سمجھو، آدھی آدھی رات تک سسکتی کیوں

کنوارہ نہیں رہوں گا۔" وہ پھینکی سی ہنسی کے ساتھ میرادل رکھنے کے بولا۔ "اور کوئی نہیں تو تم تو ہو۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" میں یونہی ورد مندی سے سر ہلاتے ہلاتے چونک گئی۔ "کیا؟"۔ کیا کبواس کی تم نے؟ فضول انسان۔" اس کی پھینکی ہنسی مرا مرا لہجہ اور بھینگی سی پلکیں صاف اس کے دل کا حال بتا رہی تھیں لیکن میں اس کا وحیان پٹانے کے لیے جھوٹ موٹ لڑنے بیٹھ گئی۔

"تم لڑ کے ہوتے ہی ایسے ہو۔ ابھی کسی کے فراق میں آہیں بھر رہے ہوتے ہیں اور ذرا کسی اچھی شکل نے کچھ توجہ دی تو فوراً اس پہ لٹو ہو گئے موقع ملنا۔"

بات کرتے کرتے میں رک گئی اور لب و لہجہ میں دبا کر کچھ سوچنے لگی۔ ایک شیطانی منصوبہ میرے ذہن میں رورش پار رہا تھا۔ میرے لب آپوں آپ سنکر اٹھ گئے۔



ان دنوں یار دہنوں میں خالص کچھ طے پا چکا تھا۔ گل لیلیٰ اپنی کار مشین تو ڈاکٹر عمر رحمان کے ساتھ ہو ہی چکا تھا۔ ایک بوہی میٹنگز میں عامر کو بھی سب نے اوکے کر دیا۔ شاداب سے پوچھا گیا تو اس نے سب کچھ بڑی ای - چھوڑ دے ہوئے نہ صرف ان کا مان بڑھا دیا بلکہ اپنے دل سے بڑے برداشت کے بوجھ کو بھی اتار پھینکا۔

گل لیلیٰ آبی اور شاداب دونوں کے سلسلے میں متعلقہ وغیرہ کا بھینچا ہوا نہیں پایا گیا حمید کے فوراً بعد شادی طے پا گئی تھی۔ بیلا کا معاملہ ہنوز لٹکا ہوا تھا۔ شبنم پھوپھو اب اپنے سسرال میں تھیں لیکن ہر دوسرے دن سب "بیسٹل اینڈ جیکل" کے چکر لگانا نہ بھولتیں۔ ہریار ان کی آمد پہ بیلا تمللا جاتی۔ اب تو بڑے ابو نے بھی بڑی ای کو کتنا شروع کر دیا تھا کہ ہاں یا ناں میں جواب دے کر شبنم کو فارغ کر دے لیکن بڑی ای اتنا اچھا رشتہ چھوڑنے پہ تیار نہ تھیں اس لیے ناں کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوا تھا۔ دوسری طرف بیلا کے ہوتے وہ چھوٹی کی بات ٹھہراتے جھجک رہی تھیں۔ بیانیوں بھی زور و جوش سی لڑکی تھی اور اب منگنی ٹوٹنے کی وجہ

والے تلخ حادثے کی وجہ سے ابھی تک پھوپھو کو واضح ہاں نہیں کی گئی تھی لیکن سب جانتے تھے کہ پھوپھو ہاں کر دے گی دم لیں گی۔ ادھر بیلا پیر پختی پھر رہی تھی ادھر عطا کی آنکھیں ہر وقت سوچی سوچی نظر آتیں۔ مجھے دونوں عزیز تھے اور میں دونوں میں سے کسی ایک کے مسئلے کا حل ضرور مخلصانہ طور پر نکالنا چاہتی تھی۔ کچھ ایسا ہو جائے کہ عطا کی دل گرفتگی دور ہو جائے اور اس کا حل تو یہ بھی تھا کہ شبنم پھوپھو کے بجائے رابعہ آنٹی بیلا کے پیچھے بڑ جائیں اور رہی بیلا تو اس کے پیر تو اس صورت میں بھی پختہ ہی رہیں گے۔ اسے تو شادی سے ہی چڑھ گئی۔

لیکن بیلا اس میں بھی کیا کر سکتی ہوں۔ اس کی شادی نہیں نہ نہیں تو ہوئی ہی ہے۔ بڑی ای جیسی انوکھی نوک کانٹا مناسب خاتون اسے زندگی بھر بے مدار تو نہیں پھوڑ سکتی تھیں۔ پھر کیوں نہ۔ بے چارے عطا کے ہی چند دن سے ارمان دور سے بھجوا رہی تھی سوچ کر میں عطا کو اسے دے دیتی تھی کہ وہ دست کر کے اپنے ماما بیات بات کرے۔

"کیا کروں میں؟ ماما کو تو نامہ شکر نہیں اور نہ ہی یہ مسئلہ ہے کہ انہیں بیلا پہ کوئی اعتراض ہو گا لیکن یار! وہی ان کی روایتی وضع داری اور لحاظ۔ یہ آڑے آئے گا۔ یا ابھی نہیں چاہیں گے کہ اس صورت میں جبکہ شبنم پھوپھو پہلے ہی بیلا کی اسید وادیں بونچ میں بانگ اڑا کے اپنے بیٹے کے لیے سوال کرتیں اور وہ میرا نہیں بلکہ بیلا کا باپ بن کر سوچیں گے کہ اس کے لیے کون سا لڑکا مناسب رہے گا۔ مجھ جیسا تازہ تازہ زینبٹ یا پھر شجاعت کے جیسا سینٹیل برنس مین ان کا وٹ بھی اسی کو ملے گا۔" اس نے حقیقت پسندی سے تجزیہ کیا۔

"اوسہ ایسا کیا دھرا ہے اس زکوٹے جن میں۔ بیلا نے اس کے بالکل صحیح نام دھرے ہیں زکوٹا قباچہ اور ڈنٹونک کا ٹریف مارک ہم یونہی کا پیکس کا شکار ہو رہے ہو ورنہ تمہارے آگے وہ کچھ بھی نہیں۔"

"ڈرہ نوازی کا شکریہ۔ اور تم فکر مت کرو۔ عمر بھر

سے کچھ زیادہ ہی حساس اور رو بکھی سی ہو گئی تھی۔ بیلا کے لیے ہاں کر کے وہ بیلا کی خود ترسی میں اضافہ نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

عطا کا ٹون بھی تقریباً "ہر روز آجاتا۔ وہ مجھ سے بات کرنا چاہ رہا تھا لیکن میں نے طے کر لیا تھا کہ اس سے بات تب کروں گی جب میرے پاس اس کے لیے کوئی خوشخبری ہوگی۔ اس لیے ہمیشہ موقع سے غائب ہو جاتی۔ میری مہم ندر و شور سے جاری تھی اور اب اس کی کامیابی کے خاصے امکانات نظر آ رہے تھے۔ یہ میری چند روزہ محنت کا نتیجہ تھا اور مجھے امید تھی کہ اور چند دنوں تک میں حسب نشانہ کچ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گی حالانکہ پہلے دن کمر کس لینے کے بعد مجھے اچھی خاصی کوفت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ عجیب بدعویٰ احمق سی لڑکی ہے یہ کشف بھی ہاتھ ہی نہیں آ رہی تھی۔

جی ہاں کشف چودھری۔ میں نے اس کے ذریعے ہی شجاعت علی سے چھٹکارا لانے کا سوچا تھا اور چونکہ یہ چھٹکارا مستقل بنیادوں پر پایا نہیں جاسکتا تھا کہ شجاعت چودھری ہاؤس کی لاڈلی بیٹی شبنم کے صاحب زادے تھے اس لیے یہی ہو سکتا تھا کہ یہ بہن گل بیلا چودھری کے بجائے کسی اور کو چمٹ جائے اور اس مقصد کے لیے وہی نام میرے سامنے تھے۔ کشف اور رحمہ دیکھا جائے تو دونوں ہی بے مثال تھیں۔

کشف نیلی آنکھوں گولڈن بالوں اور شہری رنگت کے ساتھ بالکل ایک فرانسیسی حسینہ نظر آتی جس نے کسی فینسی ڈریس شو کے لیے مغلیہ شہزادی کا روپ دھار رکھا ہو۔ انارکلی کے لباس میں جیولٹ انگلش کلر بالوں کی کھینچ کے بنائی چوٹی چوڑی دار پہچائے لیے لیے وہ بیٹوں اور کانوں میں ڈالی سونے کی گول گول پالیوں کے ساتھ وہ بڑی پیاری سی لگا کرتی۔ عرصے سے وہ فقط یہ بالیاں ہی جیولری کے نام پر استعمال کر رہی تھی۔ اس کے نیلے غیٹوں پر رکھا چہرہ یہی ظاہر کرتا تھا کہ لی بیلا خاصی پڑھا کو ہیں ورنہ اپنی بھول بھالی باتوں سے وہ کسی طرح بھی ایومن سائیکالوجی میں ماسٹرز کرتی نظر نہیں

آتی تھی۔

دوسری طرف رحمہ بھی کسی سے کم نہ تھی۔ اس کی آدھی سے زیادہ دلکشی تو اس کی نرم نرم مسکان میں چھپی تھی اور باقی اس کے آرٹسٹک سے ہاتھوں میں۔ وہ سر سے پیر تک ایک آرٹسٹ نظر آیا کرتی۔ لیکن ایک تو اسے اس مقصد کے لیے آگے کرنے میں قیامت یہ تھی کہ وہ خاصی آدم جیزا واقع ہوئی تھی کم ہی باہر نکلنے اور کسی سے بات کرنے پر آمادہ ہوتی اور میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں پہلے اس کی منتیں کرتی ہاتھ پیر جوڑ کر اپنے ساتھ لے جاتی اور پھر شجاعت سے علیک سلیک کرواتی۔ اس کے برعکس کشف بڑی مدد تک میری فرماں بردار تھی۔ لاکھ پڑھائی میں گمن ہو، میرے ایک اشارے پر میرے ساتھ کہیں بھی چلنے کو تیار ہو جاتی اور سب سے بڑی بات میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ شجاعت کے بارے میں اچھی رائے رکھتی ہے۔ یعنی اسے ہموار کرنے میں مجھے زیادہ محنت نہیں کرنا پڑے گی۔

اس دن حسب شجاعت پھوپھو کو اور اپنی دادی کو لے کر ہمارے گھر آیا میں خاصی افراتفری کے عالم میں کشف کو تھپتی لے گئی۔

"شجاعت! پلیز نہیں ذرا مارکیٹ لے چلیے۔"

"جی ہاں؟ لیکن میں تو۔"

"پلیز ڈیکھئے بہت ضروری کام ہے۔ بڑے پیایا چاچو ہی ہمیں شاپنگ کے لیے لے جایا کرتے ہیں یا پھر عطا اگر موجود ہو تو لیکن۔ چاچو رات کو دیر سے گھر آئیں گے تب تک نیلر دوکان بند کر جائے اور مجھے ابھی وہ سوٹ چاہیے۔"

"ہاں جی بہت ضروری جاتا ہے۔" کشف کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ کون سا سوٹ کیسا سوٹ لیکن اس نے میری ایمر جنسی کو دیکھتے ہوئے ہاں میں ہاں ملانا ضروری سمجھا۔

"لیکن حساب! میں یہاں کے راستوں پر ڈرائیونگ نہیں کر سکتا۔ میں لیفٹ ہینڈ ڈرائیونگ کرتا ہوں۔" تلیا جی کا ڈرائیور ہی ڈرائیونگ کر کے گیا ہے۔ اگر آپ کچھ دیر

تلیا جی

”چلو کئی شجاعت کو کمپنی دے لے گی۔“ وہ میرے ساتھ جم کے بیٹھ گئی۔ اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے میں نے کہا۔

”وہ تو تم بھی۔ میرا مطلب ہے ہم بھی دے سکتے ہیں۔“

”لیکن ہم تو شایگ کریں گے ناں۔ بھی اب مارکٹ جا رہے ہیں تو خالی نیئر کے پاس سے ہو کر آنے کا کیا فائدہ۔“

میں رانت جیستی رہ گئی۔ واپسی پر ہتھکڑی اپنے خراب موڑ پر قابو پاتے ہوئے مختصر دور کے راستے میں شجاعت اور کشف کو یاد دلا رہی تھی۔ میں نے کشف کو مجبور کیا۔ شاید میں کسی نہ کسی طرح اس کو تھکا کشف جیسی تازک بری کی طرف متوجہ کر سکتی ہوں۔ وہ سب سے پہلی گئی تھی کہ اگلے ہی روز وہ پھر موٹر گاڑی میں مار پھوپھو کے ساتھ نہیں بلکہ گیلیسی آیا تھا۔

”ایسا۔۔۔ سحاب! آپ کے اصرار نے میری ہتھکڑی دور کی۔ تن میں آیا جی سے کھڑے ہوں۔“

”ابھی تو پچو! تمہاری اچھی خاصی ہتھکڑی دور کرنی ہے۔“ میں نے دل ہی دل میں مسوڑھتے ہوئے ہر بلا یا۔ ”اب یہ بھی اگلے دو کہ کسی کے دیدار کی طلب یہاں تک پہنچ لالی۔ صرف بائیس چیر چیر کے مسکرانے سے کام نہیں چلے گا۔“

میں نے خود کلامی جاری رکھی لیکن وہ بھی اچھا خاصا کائیاں تھا اگرچہ محرک آنکھیں، بلاوجہ پھیلتی مسکرائیں اور لوٹھائیں کتنے ہی راز کھول رہی تھیں پھر بھی اس نے منہ سے پھوٹ کے نہ دیا کہ وہ کشف کو دیکھنے کی چاہ میں یہاں چلا آیا ہے۔

میں نے ایک اور حربہ آزمایا۔ پھوپھو کا سسرال وینفیس میں تھا۔ میں اپنی دوست رجا سے ملنے کے بہانے کشف کو ساتھ لے گئی۔ ہتھکڑی پندرہ منٹ اس کے پاس بیٹھ کے باہر نکلتے ہی میں نے یونہی برسیل تڑکھ کہا۔

”اسی بلاک میں کہیں پھوپھو بھی رہتی ہیں۔“ پھر کچھ خیال آنے پر چونکنے کی بھرپور ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

”کشف! کیا خیال ہے پھوپھو سے ملنے نہ چلیں؟ ویسے بھی انہوں نے شام کو اوھر ہی آنا ہے اچھا ہے ہمارا ٹیکسی کا کرایہ بچے گا۔ ان کے ساتھ ہی گھر چلے چلیں گے۔“

تھوڑے سے پس و پیش کے بعد وہ ہان گئی۔ گھر ڈھونڈنے میں کوئی مشکل نہ ہوئی اور اس وقت تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی جب ان میں ہی شجاعت کو برا جہان دلایا۔ ہمیں لیٹ سے اندر داخل ہوتے کچھ گئے اس کے پھرے پر جو اچانک خوشگواریت چھائی، اس نے مجھے اطمینان دلادیا۔ ”اب منزل دور نہیں“ میں نے غصے کو پسینہ دلائی اور یہ ٹھیک بھی تھا۔ اس کے پھر پھوپھو کا جو اگلا پتہ لگا۔ اس میں وہ خاصی سنجیدہ تھیں۔ بھائیوں میں بیٹھ کر بڑی سنجیدگی سے انہوں نے ذکر چھیڑا۔

”بھائی جان! بار بار ایک ہی بات دہرانا اچھا نہیں لگتا۔ پھر بھی سوچا کہ دو ٹوک بات کر ہی ہوں۔ آخر میں پاکستان اسی مقصد کے لیے توئی ہوں۔ میرے پاس وہ اچالی ماہ ہیں اور ابھی تک ایک بیٹے کی بات بھی نہیں قصداً کہی۔ آپ تو میرے ساتھ بالکل غیروں والا سلوک کر رہے ہیں۔ میں آپ کی اپنی ہوں۔ بھلا مجھ سے ایسا براؤ کرنے کی کیا ضرورت جو کہنا ہے صاف صاف کہتے۔ میں بالکل ناراض نہیں ہوں گی۔ آخر کوئی وجہ تو ہے جو آپ ٹالے جا رہے ہیں۔“

جواب میں بڑے ابوسنے بے حد شرمندگی محسوس کرتے ہوئے کہا۔

”نہیں شبنم! تم کچھ غلط گمان مت کرنا۔ تمہارے بیٹوں میں کیا کمی ہے جو ہم بہانا بنا لیں۔ یہ سب تمہاری اپنی بیٹیاں ہیں۔ جس پہ ہاتھ رکھو وہ تمہاری۔ بس بیلا کے سلسلے میں دیر کی وجہ صرف یہنا ہے۔ میں منتظر تھا کہ بیٹا کا بھی کوئی مناسب پیام آجائے تو پھر ہاں کروں۔“

مبارکباد دینے لگا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے پیلا کی طرف
دیکھا۔ اس بے چاری کی تو وہ حالت ہو گئی تاکہ آسمان
سے گرا، کھجور میں اٹکا۔ سامنے کھائی پیچھے جنگل۔ نہ
اگلے بنے نہ نکلتے۔ وغیرہ وغیرہ۔ سارے محاورے
نٹ کرتے ہوئے جیسے ہی میں نے نظر گھمائی۔ خوشی
اور شرم سے گلزار چہرے کے ساتھ وہ آنچل کا کوٹا
دانتوں تلے لیے مسکرا رہی تھی۔

”کھنٹی، میسنی، چالا کو۔“ میں نے اسے پیٹ ہی
توڑا۔



اور آج چودھری ہاؤس میں چاند رات الگ ہی
دھب سے اتری تھی۔ اس سے پہلے ان درو دیوار پر
اتنی رونق نے ڈیرا نہ ڈالا تھا اور نہ ہی کسی نے ایسی
سرشاریاں دیکھی تھیں۔

مجھے اس گھر میں گزری کتنی ہی چاند راتیں یاد
تھیں۔

بچپن کی وہ بھولی بھائی ہی چاند راتیں بھی۔ جن میں

بڑی امی کے سنے چھوٹے چھوٹے زرق برق لہنگے اور
بڑے پاپا کے فاران سے لائے پھولے پھولے فراک ہم
سب بار بار ہاتھ لگا لگا کر دیکھتے۔

میں اس کی دسکی پر جوش چاند راتیں بھی تھیں،
بیسویں اب کائنات، سیماب اور حسنہ مناتیں، جس میں
دو ستون کودی جانے والی عیدی کی پیکنگ اور صبح ملنے
والی فکرت عیدی کی چٹا تھی۔

اور پچھلی کئی چاند راتیں۔ مل کر چوڑیاں چڑھانا،
ایک دوسرے کو مندی لگانا، ٹیلر کے چکر کاٹنا، بڑی امی
کے بنائے شیر خرما کے لیے بادام اور پستے کی ہوائیاں
کاٹنا۔

لیکن یہ چاند رات سب سے جدا تھی۔

سب سے منفرد۔

بالکل البیلی۔

اس میں چودھری ہاؤس کی ایک نہ دو پوری پانچ

”ہر بچی اپنی قسمت نکھو اکراتی ہے شیر میں بھا بھی!“
یہ آپ کی محبت ہے جو آپ نے ان کے بارے میں ایسا
سوچا لیکن پیلا کے لیے ایک بار پھر سوچ لیں۔ کیا حرج
ہے اگر دونوں بہنیں ایک ہی گھر میں چلی جائیں۔
جہاں شبنم پھوپھو سارا کھیل جوٹ ہوتے دیکھ جو
بڑھاپے میں وہاں بھی سر پکڑ کر آنٹی فیصلہ کو
دیکھنے لگے۔

”جہاں آپ پچھلے ایک گھنٹے سے خاموش بیٹھی
تھیں، کیا ہی اچھا ہوتا اگر مزید کچھ دیر اور جیپ
رہتیں۔“

”بہن۔ پیلا بھی کچھ رضامند نہیں۔“ رابعہ آنٹی
نے پھوپھو کی موجودگی کا لحاظ کیے بغیر کہا، بڑی امی البتہ
بٹی کی سرکشی غیاں ہونے کے خوف سے سٹیٹا کے
کنے لگیں۔

”وہ تو دراصل شبنم! پیلا نادان بہت ہے، بچپنا بہت
ہے اس کے اندر سات سمندر پار جانے سے مبرا رہتی
تھی۔“

”اس لیے میری رائے ہے اس کی خولہ شرابا احترام
کرتے ہوئے اسے چودھری ہاؤس میں ہی رہنے دیا
جائے۔“ رابعہ آنٹی کی رائے پہ بڑی امی اور کتنی
ہراساں ہو گئیں۔

”اے بے راہبہ! دیوانی ہوئی ہو، وہ تو پاگل ہے،
اعلان کر بیٹھی ہے مرتے مرجائے گی، یہ گھر نہ
چھوڑے گی۔ کیا تم بھی اس کے ساتھ عقل گنوا بیٹھی
ہو۔ ساری عمر کنواری بٹھائے رکھنا ہے اسے۔“

”میں نے یہ کب کہا بھابی! میں نے تو صرف یہ کہا
ہے کہ اسے چودھری ہاؤس سے نہیں نکلنے دینا اور رہی
بات شادی کی تو آپ کیوں بھول جاتی ہیں کہ اللہ کے
فضل سے اس گھر میں بھی ایک جوان بیٹا موجود ہے۔
کم از کم اپنی ایک بیٹی کو تو ہم سدا اپنے گھر میں رکھ سکتے
ہیں۔“

رابعہ آنٹی نے تو سارا پروگرام ہی ترتیب دے
ڈالا۔ ہر شخص ہلکا پھلکا سا ہو کر ایک دوسرے کو

بکریاں شتکن کے لالہ دے اوڑھے بیٹھی تھیں۔
یہ شوشہ سب سے پہلے شاداب کے سرسرا کی
طرف سے چھوڑا گیا۔ وہ لوگ اپنی بسو کے لیے عیدی
لانا چاہتے تھے ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے
اجازت دے دی گئی۔

یہ خبر ڈاکٹر عمر کی والدہ تک پہنچی تو وہ پیچھے کیوں
رہیں، انہوں نے بھی سارے ارمان انکالنے کا ارادہ
کرتے ہوئے آنے کا عندیہ ظاہر کیا۔

بیسویں اب بھلا پھوپھو کو اپنی مولوں ہوسو میں کیا کم عزیز
تھیں۔ وہ بھی سیدہ اس شادی پر تشریف لائیں۔

ان کی رہ کھا دیا بھی راجہ آنٹی نے بھی عطائی، انہما
کے لیے عید کے تحائف خریدائے۔ اب چاند رات
کو ایک پھولی سی تقریب کا انعقاد کیا گیا جس میں تمام
رشتوں کو بلایا گیا ہے۔ کتے ہوئے خاندان بھر کے
چیدہ چیدہ افراد آمد ہو گئے۔ ڈاکٹر عمر رحمان اور عامر
بٹ کے لہر والوں کو حیدر کے تین بھتے بعد کی تاریخ
دے دی گئی تھی۔ اسی کے اگلے بیٹے پھوپھو صداقت
علی کی بارات ٹامیں کی جبکہ شجاعت اور عطا کو اس
موقع پر منتقلی پہ ہی لی الحال داخلہ جانے لگا۔ بقایا دو
شاویاں اگلے سال تک کے لیے رکھ دی گئیں۔

تیج کلر کے خوب صورت شیفون کے شلووار
قمیص میں لمبوس گل لیلیٰ اپنی کتنی اچھی لگ رہی
تھیں رنگوں سے نا آشنا ان کا چہرہ ہلکے ہلکے میک اپ
اور لباس پہ موجود سلور کڑھائی کی مناسبت سے پنپے
جانے والے ڈائمنڈ سیٹ کے ساتھ کتنا حسین لگ رہا
تھا۔

ان کے برابر بیٹھی گل چین کتنی مسکین اور خوش
نظر آ رہی تھی۔ شاداب نے اس کے بارے میں بالکل
صحیح کہا تھا اسے کسی سے کوئی محبت و جت نہیں تھی
واقعی صداقت سے منسوب ہونے کے بعد وہ "سیولی
میرا ماہی مینوں میرے ماناں" گنگنائی پھر رہی تھی۔
راکھ بلو سلک کے کرتا یا سجامہ پر چٹا ہوا گولڈن اور بلو
دیشہ لیے وہ دمک رہی تھی۔ سر پہ ہمارا روایتی سرخ

آچل تھا جو لڑکے کی ماں بات بچی ہو جانے کے بعد لڑکی
کے سر پہ شگن کے طور پہ ڈالتی ہے۔

شاداب سچ سچ شاداب ہی تو لگ رہی تھی، کھلے
ہوئے پنک کلر کے سوٹ پہ ڈل گولڈن اور شاگلنگ
پنک دھاگے سے خوب صورت کڑھائی تھی۔ عروج
بار بار اس کے ماتھے پہ آتی لمبی سی لٹ درست کرتی۔
سونے کے بھاری جھمکے ڈول ڈول کر اس کے رخساروں
پہ سنہرے سائے لہرا دیتے تھے۔

اور وہ "بسنی، گل پٹا، مندی، ایشن، چوڑی سے
ار جک، راجہ آنٹی کے پہلو میں وہ کیسی کھلی پڑ رہی
تھی۔ لائٹ گرین اور سی بلو کے امتزاج سے تیار اس
کا جارحیت کا سوٹ خوب اٹھ رہا تھا۔ اس کی گندی
پر گنت پہ سرخ آچل کی پھولی پھولی اوٹ سے گھنے
تھکھکھکے بالوں کے گھٹے گھٹے دلکش لگ رہے
تھے۔

اور یہ۔۔۔ سحاب چودھری۔۔۔ لائٹ پریل اور ڈارک
گرین کے کنٹراسٹ سے سجا سفید موتیوں کے کام والا
سوٹ پنپے، سفید موتی جڑا ہوا سا سونے کا سیٹ پنپے یہ
۔۔۔ میں ہوں سحاب چودھری اور میرے سر پہ شجاعت
علی کے نام کا آچل پھیلا ہوا ہے۔ جی ہاں۔۔۔ سب کچھ
سمجھ لینے کا دعویٰ کرنے والی سحاب چودھری شجاعت
علی کی آنکھوں کی بے تہیاں اور لبوں کی شہر
سکراہٹیں بھانپ نہ سکی اور کشف کی راہ ہموار کرتے
کرتے خود اس زگوٹا جن، قباچہ اور ڈنٹونک کے ٹریڈ مار
کے دل کی دنیا بے وبالہ کر گئی۔

جاننے ہیں کشف کا کیا ہوا۔۔۔ وہ جو اس دن میں اسے
پھوپھو کے سرسرا لے گئی تھی نا۔ تو ان کی جھٹھالی نے
اپنے "چونگے کے بیٹے" پروٹیسر بیٹے کے لیے اسے۔
جی ہاں۔۔۔ مندی، چوڑی اور آچل میں حصہ ورہ بھی
ہے، بس ذرا کچھ انتظار۔۔۔ بھی آخر اگلی چاند رات کو بھی
تو رونق لگتی چلا ہے۔

